ان لوگون کو پورا فیصلہ کر دینے والی فتح نصیب ہو جائے گی اور
بادشاہ کا رنگ پھیکا نظر آتا تھا۔ بادشاہ لڑائی کے احکام خود اجمیر سے
صادر کرتا تھا۔ اسنے اپنی فوج کے بڑے حصہ کا سردار اپنے چوتھے
بیٹے اکبر کو کیا تھا۔ اور معظم اور اعظم دونون بڑے بیٹون کو بھی دکن
اور بنگالہ کی حکومت سے مع ضروری فوج کے بلا لیا تھا۔ تینون
شہزادے راجپوتون کے ملک کو تاخت و تاراج کر رہے تھے اور
اورنگ زیب صرف ایکہزار جوان لیے ہوے اجمیر مین پڑا تھا کہ یہ
خبر آئی کہ راجپوت سردارون نے اپنی چالاکی سے شہزادۂ اکبر کو
ملا کر اپنی طرف کر لیا اور وہ غنیم کی بڑی فوج مین جا ملا ہے اور
اپنے تئین بادشاہ ہندوستان مشہور کرتا ہے۔ اور یہی نہین بلکہ
ساتھ ہی اسکے یہ بھی کہ اب ستر ہزار فوج لیکر اپنے باپ سے مقابلہ
کرنے کو آرہا ہے۔ شاہجہان کی حالت کی تصویر اورنگ زیب کی
آنکھون کے سامنے آگئی ہوگی۔ اور اُسنے سمجھ لیا ہوگا کہ اب میری باری
ہے کہ اپنے حوصلہ مند بیٹے کے واسطے جگہ خالی کر دون۔ مگر اس نازک
وقت مین بھی استقلال نے اُسکا ساتھ نہ چھوڑا۔ اُسنے شہزادۂ معظم کو

طلب کیا کہ جسقدر فوج جمع ہو سکے اُسکو لیکر میری مدد کو آؤ اور تدبیر جنگ کی شطرنج مین حریف کو مات کر دینے والی چال چلا۔ اُسنے باغی شہزادے کے نام ایک شقہ لکھا اور اُسمین یہ مبارکباد دی کہ شاباش تمنے خوب راجپوتون کو دھوکہ دیا اور اُنکو خوب دام میں لائے۔ اور تدبیر یہ کی کہ یہ قلعی کھولدینے والا شقہ راستے ہی مین کسی باغی راجہ کے ہاتھ لگجائے۔* اس تدبیر کا نتیجہ امید سے زیادہ ظہور مین آیا۔ مغلیہ فوج کے باغی پھر شاہی جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے اور اُنکا سپہ سالار تہور خان بھی خجل اور متاسف ہو کر واپس آیا اور فوراً تہ تیغ کر دیا گیا۔ راجپوتی فوج کا نام و نشان بھی نرہا اور شہزادہ اکبر پانچ سو ہمراہیون کے ساتھ دکن کو بھاگ گیا (جون سنہ ۱۶۸۱ء) اور راہڑی کے مرہٹہ سردار کا مہمان ہوا۔ اور آخر کار

* خفی خان کو اس قصہ کی صداقت مین کلام ہے۔ ہرحال یہ ظاہر ہے کہ کسی تدبیر سے اورنگ زیب نے اپنی طرف کے باغیون کو پھر اپنی طرف ملا لینے کی کوشش ضرور کی۔ اور شقہ کا بھیجنا بھی اسیقدر قرین قیاس ہے جسقدر کوئی اور تدبیر ہو سکتی ہے۔

جہاز پر سوار ہو کر ایران چلا گیا اور پھر کبھی اُسکو اپنے آباد اجداد کے ملک مین قدم رکھنا نصیب نہ ہوا۔

راجپوتی سانپ چیٹلا ضرور ہو گیا تھا مگر مرا ہر گز نہ تھا۔ اُن کے سرداروں اور مذہب کی جو بے عزتی اور توہین ہوئی اور اُنکے ملک مین جو اورنگ زیب نے لڑائی مین بڑی سفاکی اور غیر ضروری سختی سے کام لیا تو اُنکے دلون مین ایسے زخم ہو گئے جو کبھی مندمل نہ ہو سکے۔ وہ قوم جو آغاز سلطنت مین دولت مغلیہ کا داہنا بازو سمجھی جاتی تھی اب ایسی دشمن ہو گئی کہ ملاپ کی توقع ہی اٹھ گئی۔ اور پھر اس قوم نے کبھی بغیر بے اعتمادی کے تخت کا ساتھ نہ دیا۔ لڑائی جاری رہی۔ مغلون نے اُدے پور کے زرخیز خطون کو تباہ کر ڈالا۔ اور راجپوتون نے مسجدون کو مسمار کر کے اور مسلمانون کو ذلیل کر کے اپنے دلون کا بخار نکالا۔ شہر البتہ اورنگ زیب کے ہاتھ مین تھے مگر پہاڑی درّون مین بہت سے غصہ مین بھرے ہوئے دشمن جمع تھے اور جب موقع پاتے تھے ضرور اپنے دشمنون کو نقصان پہونچا جاتے تھے۔ آخر کار رانا نے اُدے پور نے جسکا راجپوتی فریق مین

سب سے زیادہ نقصان ہوا تھا اورنگ زیب سے عزت و آبرو
کے ساتھ صلح کرلی۔ اورنگ زیب نے بھی اسکو غنیمت سمجھا کیونکہ
وہ بھی لڑائی سے تھک گیا تھا اور اپنی پوری توجہ معاملات دکن
کی طرف مبذول کرنی چاہتا تھا۔ صلحنامہ مین منحوس جزیہ کا ذکر بھی
نہین کیا گیا۔ رانا نے تھوڑا سا ملک اُس نقصان کے بدلہ مین
لیا جو شہزادہ اکبر کی طرفداری کرنے سے اُسکو پہونچا تھا۔
جسونت سنگھ کا بیٹا یعنی جودھپور کا خورد سال راجہ اپنے باپ
کے راج کا وارث تسلیم کرلیا گیا۔ لیکن اگرچہ اس صلح کی بدولت
اورنگ زیب کو آبرو کے ساتھ واپس آجانے کا موقع مل گیا مگر
مغربی راجپوتون کے دل ٹھنڈے نہ ہوے۔ حتی کہ خود رانا نے
اُدیپور تھوڑے ہی دنون بعد صلحنامہ کے خلاف اپنے ہاتھی پر
سوار ہو کر مستعد بجنگ ہو گیا اور سلطنت کے آخر زمانہ تک سواے
جیپور اور شرقی حصہ ملک کے سارا راجپوتانہ باغی رہا۔ یہ نتیجہ ہے
تعصب مذہبی کا۔ اگر اورنگ زیب شرک پر محصول نہ لگاتا اور
راجپوتون کی عزت و آبرو کے پیدائشی خیالات مین دخل نہ دیتا

تو اب بھی یہ راجپوت برابر اُسکا ساتھ دیتے اور دکن مین جو لڑائیان
اُسکو لڑنی تھین اُنمین بڑے بڑے کام کرتے۔ مگر اُسنے تو ہمیشہ کے
واسطے اُنسے بگاڑ کر لیا۔ جیسا کہ جے سنگھ کے زمانہ مین ثابت ہو گیا اب
کوئی راجپوت راجا ایسا نہ رہگیا تھا جو پھر اپنے جانباز بہادرون کو لیکر
سلطنت مغلیہ کے تخت کی حمایت مین لڑنے جاتا۔ جب تک یہ غالی
متعصب بادشاہ تخت اکبری پر رہا کسی راجپوت نے نام کو بھی اُسے
مدد دی۔ اور اورنگ زیب کو اپنے جنوبی دشمنون سے بغیر اپنے
دوا پنے بازو کے لڑنا پڑا۔

نوان باب

دکن

دکن کی ایک پرانی مثل چلی آتی ہے کہ "ہنوز دلی دور ست"
اور بہت سے ہندوستانی بادشاہون کو اپنے اس جنوبی صوبہ کی ناقابل
اصلاح سرکشی سے عہدہ برا ہونے مین اس مثل کی تصدیق ہو چکی
ہے - دکن کا صوبہ قدرتی طور پر اس قابل نہین واقع ہوا ہے کہ اُسکا
کوئی تعلق ہندوستان سے رہے - وندھیا اور ست پُڑا کے پہاڑ اور
نربدا دریا تین قدرتی سدین بیچ مین حائل ہین اور دکن ہندستان
کی سطح سرزمین کو دریاے گنگ اور اُسکی شاخون سے سیراب ہونیوالے
میدانون سے جُدا کرتی ہین - اسی سے دہلی کے بادشاہون کو یہ سبق
لے لینا چاہیے تھا کہ عقل کی بات یہی ہے کہ اپنے ہی ملک پر قابض رہین -
مگر دکن کی سرزمین زرخیز تھی - وہان کی دولت اور زر و الماس کے
افسانے مشہور تھے - اور شمالی سرزمین کے سب بڑے بڑے فرمانروا

اس پہاڑی سرحد کی طرف دیکھتے تھے اور انکا جی للچاتا تھا کہ اسکے آگے
جو زرخیز خطہ ہے اُسمین داخل ہون - مگر اسمین داخل ہونے مین خطرہ
بھی بہت تھا - دکن کے فتح کرنے کے معنی یہ تھے کہ بیٹھے بٹھائے
ہندوستان کے ہاتھ سے کھو دینے کا کھٹکا مول لین - کیونکہ جو شخص
اُن دکھنی لوگون پر چڑھائی کرے جو مشرقی اور مغربی گھاٹون کے
بیچ مین رہتے تھے اُسکے واسطے یہ بھی تو اندیشہ تھا کہ وہ دکن والونکو
اُترکا راستہ بتلائے دیتا ہے -

پہلا مسلمان بادشاہ جسنے سارے دکن کو تخت دہلی سے وابستہ
کیا محمد بن تغلق تھا جو چودھوین صدی مین فرمانروا تھا - اسکی تیزی طبع
اور جھک دونون اس بات سے ظاہر ہوتی ہین کہ اُس نے ایک
نیا دارالسلطنت قائم کیا اور عجیب طرح سے نئی بنائی آبادی سے اسکو
آباد کیا - اُسنے یہ بات تو دانشمندی کی اکی کہ وسط مین واقع ہونے کے
خیال سے دیوگڑھ کو انتخاب کیا - کیونکہ کم از کم اُس زمانہ مین کہ نہ ریل
تھی نہ تار برقی دکن کے فرمانروا کا وہین رہنا مناسب تھا - اور
بیدانشی کی حرکت یہ کی کہ اِس نئے دارالسلطنت کا نام دولت آباد

رکھکر دہلی کی ساری آبادی وہان بسنے کے واسطے روانہ کردی ۔ اسکی وفات کے ساتھ شمال کے جنوب پر تسلط رکھنے کا زمانہ بھی ختم ہوگیا اور ایک بڑے افغانی خاندان والے بہمنی بادشاہون نے دکن پر قبضہ کرلیا ۔ پندرھوین صدی کے خاتمہ کے قریب ان لوگون کی بڑی مملکت مین پانچ سلطنتین علٰحدہ علٰحدہ قائم ہوگئین ۔ ان سلطنتون مین سب سے بڑی یہ تین سلطنتین تھین ۔ قطب شاہی گولکنڈہ مین ۔ عادل شاہی بیجاپور مین ۔ نظام شاہی احمدنگر مین ۔ ان سلطنتون پر مغل بادشاہون کی للچائی ہوئی نظرین اکثر پڑتی رہین ۔ مگر یہ بات اورنگ زیب ہی کیواسطے مقدر تھی کہ وہ سب سے پہلا مغل بادشاہ ہو جو ان شہرون کو زیر کرکے انمین داخل ہو ۔

اکبر بڑا دوراندیش تھا اُسنے دکن کے معاملات مین زیادہ دخل نہین دیا ۔ اُسے بس اسیقدر مقصود تھا کہ وہ خود دکن کے حملے سے محفوظ رہے ۔ چنانچہ اسی خیال سے اُسنے خاندیش کی ویران سرحدی مملکت کو اپنی سلطنت مین شامل کرلیا تھا اور آسیر گڑھ کے پہاڑی قلعہ پر قبضہ کرلیا تھا اکہ ان مقامات سے اپنی جنوبی سرحد کی قرار واقعی

حفاظت کرسکے۔ برار بھی اُسی نے فتح کیا تھا اور احمد نگر کا قلعہ بھی
لے لیا تھا۔ جب تک اُسکی سلطنت رہی اس آگے بڑھجانے کی
حکمت عملی سے کوئی نقصان نہیں پہونچا۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کے
بادشاہوں پر اُسکی دلیری کا سکہ بیٹھ گیا اور انھون نے اپنی نیک نیتی
کا یقین دلانے کے واسطے سفیر بھیجے اور خراج دینے پر راضی ہوگئے
ہمین البتہ کچھ کلام ہے کہ آیا یہ بات زیادہ قرین عقل نہ ہوتی کہ وہ
اپنے ملک کی سرحد دریاے نربدا پر قائم کرتا۔ اُسنے نظیر ایسی قائم
کی تھی جس سے اُسکے جانشینون کو آگے بڑھنے کا حوصلہ ہوا۔ اور
ایک صدی سے زیادہ ہی زیادہ عرصہ تک یہ حالت رہی کہ صوبۂ
دکن کا حاکم جو برہانپور اور اُسکے آس پاس کے ملک پر حکمران ہوتا
تھا برابر اس کوشش مین لگا رہتا تھا کہ اپنی حکمرانی کی حدود کو
وسعت دے اور نظام شاہی عادل شاہی یا قطب شاہی زمین
دبالے۔ جسکا نتیجہ یہ تھا کہ سرحد پر رہنے والون کو کبھی امن سے رہنا
نصیب نہ ہوا۔ جہانگیر کے زمانہ مین بھی یہ کوشش جاری رہی مگر
مغلون کا فائدہ نہوا۔ احمد نگر ایکدفعہ نکل گیا مگر پھر مِلگیا۔ جب

شاہجہان تخت طاؤس پر بیٹھا تو تینون جنوبی خاندان والے اپنے اپنے ملک کے بیشتر حصون پر قابض تھے اور مغلی صوبہ مین خاندیش اور برار اور احمدنگر کے قلعہ کے سوا بہت ہی تھوڑا سا ملک رہ گیا تھا۔ نئے بادشاہ نے جو اپنے عنفوان شباب کے زمانہ مین اِسی صوبہ دکن مین اپنی سپہ سالاری کے جوہر دکھلا چکا تھا اس لڑائی کو پھر تازہ کیا۔ نظام شاہی نسل کا چراغ گل کر دیا اور گولکنڈہ اور بیجاپور کے بادشاہون کو مجبور کیا کہ سالانہ خراج (جو عموماً غیرمعین اوقات پر ادا ہوتا تھا) ادا کرین اور اُسکی اطاعت کرین۔

جب یہ قابل یادگار کامیابیان تکمیل کو پہونچی ہین اُس زمانہ مین شہزادہ اورنگ زیب دکن کا نائب السلطنت تھا۔ جیسا کہ اِس سے پہلے ذکر آچکا ہے شہزادۂ مذکور کی یہ پہلی سرکاری خدمت تھی اور ۱۰ مئی سنہ ۱۶۳۶ء کو وہ اسپر مامور ہوا تھا۔ اور اُسوقت اٹھارھوین برس مین تھا۔ اُسکے موقع پر پہونچنے سے پہلے ہی لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تھا اور اُسکو محض اسیقدر کرنا باقی تھا کہ نظام شاہی خاندان کے آخری وارث کو اپنے اور رشتہ دارون سے ملنے کے واسطے گوالیار

خاصہ مین پہونچا دسے - بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ مین دکن مین چونسٹھ قلعے تھے جنمین سے تریپن پہاڑیون مین تھے - چار صوبے تھے - دولت آباد جسمین اُسکا پُرانا دارالحکومت احمدنگر بھی شامل تھا - تلنگانہ - خاندیش - اور برار جسکا دارالحکومت ایلچپور تھا - پورے دکن کی مالگزاری پانچ کرور شمار کیجاتی تھی - یا یون سمجھیے کہ پچپن لاکھ پونڈ کے اوپر ہی اوپر تھی - اورنگ زیب کی پہلی حکمرانی کے زمانہ مین صرف اسیقدر اضافہ ہوا کہ ۱۶۳۷-۳۸ء کے موسم سرما مین بگلانہ کی مملکت جو خاندیش اور مغربی گھاٹ کے درمیان مین واقع تھی باجگزار ریاست ہو گئی - جون ۱۶۴۴ء مین نائب السلطنت نے پیشۂ فقیری اختیار کیا اور اپنے عہدہ سے معزول کر دیا گیا -

بارہ برس کے بعد اورنگ زیب پھر دکن مین آیا - افغانستانی لڑائیون سے اُسکی توجہ دوسری طرف ہو گئی تھی - اس عرصہ مین دکن مین امن و امان رہا - شاہجہانی افسر صوبجات دکن کی پیمایش مین مصروف تھے اور بیجاپور اور گولکنڈہ کے بادشاہ اسمین خوش تھے کہ نہ ہم مغلون کو چھیڑین نہ مغل ہمکو چھیڑین - دونون برابر خراج

دیئے جاتے تھے اور اسکے صلہ مین صرف اُسقدر خواہشمند تھے کہ امن
و عافیت سے رہنے پائین - مگر یہ نائب السلطنت کب اس خواہش
کو پورا کرنیوالا تھا - وہ اپنے فقیری خیال کے خواب سے بیدار ہوچکا
تھا اور افغانستان کی لڑائی کے تجربہ سے اُسکا پیدایشی شوق
ملک گیری کا تازہ ہوگیا تھا - اس بات نے کہ دکن کے بادشاہ
شیعون کے ملحد فرقہ کے تھے اور حضرت علی ع کو مانتے تھے اُسکے دلی
ارادون کو جہاد کے جوش کی صورت مین بدل دیا - اس زمانہ سے
اپنے مرنے کے زمانہ تک، وہ ایک لمحہ کے واسطے بھی اس خواہش
کو نہین بھولا کہ جو سلطنت کسی زمانہ مین محمد بن تغلق کے پاس رہچکی
ہے اُسپر قبضہ کرلے - آخرکار اُسکا حوصلہ بڑھتا ہی چلا گیا - یہانتک
کہ پورے چھبیس برس تک اُسنے ہندوستان مین قدم ہی نہ رکھا
اور بالآخر اُسکی امیدین بھی اُسکی نعش کے ساتھ اسی سرزمین مین
دفن ہوگئین جسپر اُسکی سی فولادی طبیعت بھی تسلط نہ جماسکی تھی -
اپنے حوصلہ کی اس منزل کی طرف جسپر پہونچنا اُسکے نصیب ہی
مین نہ تھا اورنگ زیب نے پہلا قدم یون اُٹھایا کہ خواہ مخواہ کو

عبداللہ والی گولکنڈہ پر حملہ کر بیٹھا۔ حیلہ یہ تھا کہ یہان اندرونی جھگڑا
پڑا ہوا تھا حالانکہ اُس جھگڑے سے مغلون کو کوئی تعلق نہ تھا مگر یہان
تو مطلب کام نکالنے سے تھا۔ میر جملہ وزیر گولکنڈہ ایرانی نسل سے
تھا اور الماس فروشی کا پیشہ کرتا تھا اور اپنی بیحد قابلیت اور بیشمار
دولت کے باعث اس مرتبہ کو پہونچا تھا۔ اُسکی عادت یہ تھی کہ اپنی
ہیرے کی کانون کی آمدنی بورون مین بھر بھر کر بے شمار
کر لیا کرتا تھا اور اسی دولت کی چربی کے استعمال سے کامیابی کی
گاڑی کے پہیے تیز تیز چلتے تھے۔ علاوہ اسکے وہ اعلیٰ درجہ کا سپہ سالار
بھی تھا اور کرناٹک مین جو لڑائیان ہوئین اُنمین علاوہ ناموری کے
بہت سا خزانہ بھی اسکے ہاتھ لگا تھا۔ ان دونون چیزون کی خواہش
مین اُسنے اپنے تئین بُت پرستی کا دشمن قرار دیا تھا اور سارے جزیرہ نما
کے ویران مندر اور ٹوٹے ہوئے بُت اُسکے کبھی نہ ختم ہونیوالے جوش
کی گواہی دیتے تھے۔ ایسے شخص سے اورنگ زیب کو ہمدردی کرنیکی
بہت سی وجوہ تھین۔ اور جب میر جملہ اپنے بادشاہ سے بگڑ کر مغلون
سے حمایت کا طالب ہوا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہین ہے کہ اُسکی

بہت آؤبھگت ہوئی اور وہ منصب پنجہزاری پر ممتاز کیا گیا۔

اس قابل قدر رفیق کے ملجانے سے اورنگ زیب کو اپنے کام مین اور بھی جوش بڑھگیا اور جو نقصان اس رفیق کو پہونچے تھے اُنکی تلافی کی طرف متوجہ ہوا۔ اُسنے اپنے فرزند اکبر "نونہال باغ کامرانی" شہزادہ محمد کو بھیجا کہ میر جملہ کی طرف سے اُسکے پہلے بادشاہ سے داد کا طالب ہو (جنوری ۱۶۵۶ء) اور اپنے امراؤن کو اسقدر کوشش بلیغ کے ساتھ مخفی رکھا کہ حیرت زدہ بادشاہ کو مشکل سے اسقدر وقت مل سکا کہ غنیم کے اپنے شہر مین پہونچ جانے سے پہلے اپنی دارالحکومت بھاگ نگر سے (جو بعد مین حیدر آباد کے نام سے موسوم ہوا) بھاگ کر گولکنڈہ کے پاس والے قلعہ مین پناہ گزین ہوا۔*

پھر اورنگ زیب بذات خاص آگے بڑھا اور گولکنڈہ کا محاصرہ کر لیا۔ جب شاہ دکن نے پہلا حملہ کیا تو وہ اپنے لڑائی والے ہاتھی پر سوار ہو کر مغل سواروں کو اسطرح بڑھا لایا کہ غنیم کو پسپا کر دیا۔ عبداللہ نے

* یہ حال برنیر کا لکھا ہے۔ خفی خان نے اس دغابازی کا کوئی ذکر نہین کیا۔ بخلاف اسکے کاٹرو نے اسکو اپنے معمولی طریقہ کے مطابق بہت زیادہ طول دیکر لکھا ہے۔

راست کی کشتیاں اور زیورات سے لدے ہوے گھوڑے اور ہاتھی
بھیج کہ کسیطرح محاصرہ کرنیوالے کا مزاج رو براہ ہو جاے - اگر کوئی
ر گر نہوئی - اورنگ زیب صلح کے پیغام سنتا ہی نہ تھا - شاہ دکن نے
ی تدبیر سمجھکر یہ التجا کی کہ اجازت ہو جاے کہ میری والدہ حضور مین
ر ہو کر سفارش کرین مگر اورنگ زیب نے ملاقات سے انکار کیا -
ت سے مایوس ہو کر شاہ دکن بھی خوب لڑا مگر محاصرہ اور زیادہ
کیا گیا - اور جب شایستہ خان سرداران مالوہ کو لیکر شہزادہ کی
کے واسطے آن پہونچا تو عبداللہ نے اپنے فاتح کی ذلیل کرنیوالی
ئط کو مان کر اطاعت کر لی - وہ راضی ہو گیا کہ بطور اظہار باجگزاری
جہان کا نام اُسکے سکہ پر کندہ کیا جاے - اپنی بیٹی کی شادی
نگ زیب کے بڑے بیٹے سے کر دے اور ایک قلعہ جہیز مین دے
ر ایک کروڑ روپیہ سالانہ خراج بادشاہ کو ادا کیا کرے - اگر اورنگ زیب
ی مرضی کے مطابق کاربند ہو سکتا تو ان شرائط کی کبھی نوبت نہ آنے
ی - مگر شاہجہان کو اپنے بیٹے کی کامیابی پر رشک ہو چلا تھا اور
سکو اپنے بیٹے کے دکن مین بہت زیادہ ذی اختیار ہو جانے سے

اندیشہ تھا۔ اُدھر دارا ہمیشہ سے اپنے بھائی کی ناموری سے خار
تھا اور اُسکی حوصلہ مند طبیعت کا زور توڑنے کی فکر مین رہتا
اُسنے بھی اپنا سارا زور اسمین صرف کیا کہ اپنے معمر باپ کو جو اُدھر بیٹون
بہت جلد بدگمان ہوجاتا تھا اورنگ زیب کے خلاف برانگیختہ کر
اورنگ زیب کے نام تاکیدی فرمان پہونچے کہ فوراً گولکنڈہ سے
شہزادہ اسکی فیہ تو بخوبی سمجھ گیا۔ مگر اُسنے ابھی سے انحراف کر
نہین خیال کیا۔ اگر یہ مزاحمت نہ ہوئی ہوتی تو تیس برس پہلے
ہی مین گولکنڈہ سلطنت مغلیہ مین شامل ہوگیا ہوتا۔ اور بعد
جو خونریزی اور ہراسنی ہوئی وہ کچھ بھی نہوتی۔ بہرحال اس
مین سوا اسکے چارہ ہی کیا تھا۔ اورنگ زیب نے عین اُس
کہ جب جیتنے کا یقین ہوچکا تھا شاہ دکن سے صلح کرلی اور اورنگ آ
چلا آیا کہ یہین اُسنے اپنے صوبہ کا دارالحکومت بنایا تھا۔ اور یہا
بیٹھکر دارا کی رنجش کو اپنے دلمین پکایا کیا اور میر جملہ کے ساتھ ملکر
کے منصوبے سوچتا رہا۔

اس سوچ بچار کا نتیجہ یہ نکلا کہ میر جملہ نے جو اب معظم خان

پ سے سرافراز ہو چکا تھا تو آگرہ کا سفر کیا اور بذات خاص
ہجہان سے دکن کی سلطنت مین ملا لینے کی گفتگو کی - اُسنے
ں اعظم کو دکن کے خزانون اور دولت کے افسانے سُنائے -
ن کی سلطنتون کی کمزور حالت دکھلائی اور عرض کیا کہ پرتگالی
رگ ساحل ملیبار پر آباد ہو گئے ہین اُنکو نیست و نابود کر کے
ن پناہ بہت نام روشن کرینگے - یہ بھی کہا کہ دولت مغلیہ کو
سوقت تک قرار سے بیٹھنا ہی نہ چاہیے جب تک کہ ہمالیہ
ے لیکر اس کناری تک اُنہی کا تسلط نہ ہو جائے - اس چالاک
فی نے اپنی لسّانی ہی پر بھروسہ نہین کیا بلکہ ایک بے بہا ہیرا
ں نذر مین پیشکش کیا - یہ ہیرا دریاے کرشنا کے کنارے کی کان
لور سے نکلا تھا اور یہی کوہ نور کے نام سے مشہور تھا - پہلے اسنے
ج مغلیہ کی زینت بڑھائی - پھر نادرشاہ کے ذریعہ سے ایران
ونچا - وہان سے احمد شاہ دُرّانی افغانستان مین لایا - وہانسے
جیت سنگھ کے ہاتھ آیا - اور جب ۱۸۴۹ء مین پنجاب کی ضبطی عمل
ن آئی تو تاج انگلستان مین لگا دیا گیا - اس بیش بہا تحفہ کی مدد سے

مقامات اور پہاڑیون کے اندر گھسے ہوے حصون کے لیجانے سے
قدرتی قلعے بنجاتے ہین۔ محنت صرف اسی قدر کرنی پڑتی ہے کہ سیڑھیان
اُس ہموار جگہ تک پہونچ جائین جو عام طور سے چوٹی ہی پر واقع ہوا کرتی
ہے۔ بہت سے والیان ملک نے مختلف مواقع پر ان مقامات سے
فائدہ اُٹھایا ہے۔ ان لوگون نے چٹانون مین سیڑھیان بنالی ہین
یا چکر کی سڑکین کاٹ لی ہین اور اندر داخل ہونے کے مقام پر کئی کئی
پھاٹک لگادیے ہین جس طرف سے چڑھ آنے کا اندیشہ ہوا اُس طرف
مینارین بنادی ہین اور پھر گھاٹون اور اُنکی شاخونکے قریب کے سارے
ملک مین قلعے قائم کردیے ہین اور یہ قلعے ایسے ہین کہ اگر انسے برابر
کام نہ لیا جاے تو محض غیر مدخل ہی سمجھے جائین [1]"

گھاٹون اور سمندر کے بیچ مین وہ حصہ ملک کا واقع ہے جو کانکن
کے نام سے مشہور ہے۔ اسمین بڑی گہری گہری گھاٹیان اور آبشور ہین
انکے ذریعہ سے پہاڑی سلسلہ کی چٹانون اور جنگلون سے نکل کر سمندر
کے قریب کی اُس شاداب سرزمین مین پہونچ جانا ممکن ہے جہان چشمے

(۱) دیکھو الفنسٹن صاحب کی ہسٹری آف انڈیا (مطبوعہ ۱۸۶۶ء) صفحہ ۱۱۰۔

...ے دیکھے ہوے خلیج مین جا گرتے ہین۔

سمندر کے کنارے کی ٹوٹی ہوئی اور پیچدار زمین کے شاندار
...ے اور انکی عظیم الشان چوٹیان ایسی کیفیت پیدا کرتی ہین کہ
...شان اور خوبصورتی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ان بلندیون پر بڑے شاندار
...ل لگے ہوے ہین اور دور تک نیچے کے ویران ملک مین چلے گئے
...ن اور میلون تک ان درختون کا گھٹنے بڑھنے والا سایہ پھیلا ہوا
...آتا ہے پہاڑون مین سے تیز تیز چشمے نکلتے ہین اور بڑے دور
...ے ساتھ سمندر کی طرف بہتے چلے جاتے ہین اور ساحل کی ناہموار
...ین کو کاٹتے جاتے ہین۔ گرمیون کے موسم کے سوکھے ہوے
...لے بھی مینہ پڑ جانے پر تھوڑی ہی سی دیر مین گہرے اور
...مکن العبور چشمون کی طرح ہو جاتے ہین۔ ان ملکون کے
...فان بھی غضب کے ہوتے ہین۔ بارش اس قدر کثیر اور موسلا دھار
...تی ہے کہ ہندوستان کے اور سب مقامات سے کہین زیادہ
...ر جاتی ہے۔ ملک کے بیشتر حصہ مین سڑکین کہین نہین ہین۔
...نگلی درختون کی کثرت اور یہان کی زمین کی خاصیت دونون

کام لیگا راحت و آرام چھوڑ دیگا اور اپنے جسم کو خطرہ مین ڈالدیگا
مگر اُسے اپنی جان کے قربان کر دینے کا خیال نہین آتا اور نہ
عزت کے خیال سے اپنے مقصد سے دست بردار ہونا چاہتا
ہے۔ ان خیالات کے فرق سے دونون قومون کی ظاہری
صورت پر بھی اثر پڑتا ہے۔ معمولی سے معمولی راجپوت کی صورت
پر بھی ایک طرح کا وقار برستا ہے اور بڑے سے بڑے مرہٹہ کی
صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام لوگونمین سے ہے"

مگر ان ہی عامیانہ صورت مرہٹون نے فرمانروایان ہندستان
کو عام اس سے کہ وہ مغل ہون یا انگریز مغرور خاندانکے راجپوتون
سے کہین زیادہ پریشان کیا۔ بادشاہ بیجاپور پر یہ الزام رہیگا کہ
وہی اس مصیبت کی حکمت عملی کا بانی ہوا اور اس جفاکش
قوم کو آیندہ کے کشت وخون کے واسطے تعلیم دیکر تیار کیا۔
اُسکی رعایا مین زیادہ حصہ مرہٹون کا تھا اور اُنکی زبان جو سنسکرت
کی ایک شاخ ہے اُسکی سلطنت کے محکمہ مال کے دفتر کی زبان
ہو گئی۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ اُسکی فوج مین نوکر ہوے پیشتر قلعونمین

رہے۔ پھر رسالوں مین بھرتی ہوے۔ اور سوارون کا کام بہت خوبی کے ساتھ انجام دینے لگے۔ انمین سے بعض بعض بیجاپور اور گولکنڈہ مین بڑے بڑے عہدون پر پہونچ گئے۔ ان عہدہ دارون مین ایک شخص سب سے زیادہ سربرآوردہ ہوا۔ یہ شاہ جی بھوسلا حاکم پونا و بنگلور تھا۔ یہی شاہ جی بھوسلا اُس سیواجی کا باپ تھا جو مرہٹہ طاقت کا بانی مبانی تھا۔

دسوان باب

سیواجی مرہٹہ

سیواجی ماہ مئی سنہ ۱۶۲۷ء مین پیدا ہوا تھا اور اپنے بڑے دشمن اورنگ زیب سے آٹھ برس چھوٹا تھا۔ اُسنے پونا مین اپنے باپ کی جاگیر پر پرورش پائی تھی اور وہین سے اُسکی بہادری اور ہوشیاری کا شہرہ ہو چلا تھا۔ اور چالاکی اور عیاری مین تو وہ شیطان کا چچا اور دغا کا باپ سمجھا جاتا تھا۔ وہ پاس کے گھاٹون کے وحشی پہاڑیون سے ملتا رہتا تھا اور اُنسے اپنے ملک کے گیت اور بہادرون کے قصے سُن سُن کر خود بھی اس آزاد اور بیباک طرز زندگی کا عاشق ہو گیا تھا۔ اگر وہ اُنکے ساتھ قزاقی کے کامون مین شریک نہین ہوا تو کم از کم اُنکے ملک مین ہر طرف پھرتا ضرور رہا اور گھاٹون کے سب رستون اور جوڑون سے واقف ہو گیا۔ اُسنے دیکھا کہ سرکار بیجاپور پہاڑی قلعون سے یا تو بالکل ہی غافل ہے یا اُنمین بہت ہی تھوڑے سے

نگہبان رکھ چھوڑے ہین - چنانچہ اُسنے ٹھان لی کہ اُنپر قبضہ کرنے
اور بہادرانہ طرز سے ڈاکہ زنی کرکے ڈاکوون کا نام بھی تاریخ مین
لکھوا دے - اُسنے سب سے پہلے تورنا کا قلعہ جو پونا سے بیس میل
پر واقع ہے یکایک لے لیا - اور پھر قلعہ پر قلعہ بڑھاتا گیا اور سلطنت
بیجاپور والے مطلق خبر نہ ہوئے سنہ ۱۶۴۸ء مین اُسنے یہان تک
دست درازی کی کہ شاہی خزانہ کے راہبان فوج سے خزانہ رکھوا لیا
اور سارے شمالی کانکن مین اپنا تسلط جما لیا - چند سال بعد
اُسنے گھاٹون کے اور زیادہ جنوب کے ملک کے حاکم کو قتل کرا ڈالا
اور سارا ملک لیکر جو قلعے موجود تھے اُنپر قبضہ کر لیا اور دو نئے قلعے
تعمیر کرائے - مثل ابو الفرق کے وہ مسلمانون کے مقابلے مین
ہندوون کا حامی بنکر اُٹھ کھڑا ہوا کہ مسلمانون سے جنکو فی الواقع
بہت سخت نفرت تھی - اور اُسکی حکمت عملی اور اُسکی حد سے بڑھی
ہوئی مذہبی پاسداری نے عوام کی نظرون مین اُسکو بہت عزیز بنا دیا
اور باوجود اسکے کہ وہ رشوت بہت لیتا تھا بے سبب اُسکا ساتھ
دینے پر آمادہ ہو گئے -

اب تک سیواجی نے اپنی لوٹ مار والی بیجاپور ہی کی عملداری
تک محدود رکھی تھی۔ مغلیہ سلطنت کا برابر ادب کیا جاتا تھا۔
اور ۱۶۴۹ء مین اس مرہٹہ نے اپنی پولیٹیکل دانائی یون ثابت
کی کہ عادل شاہ کو اسطرح انتقام لینے سے باز رکھا کہ شاہجہان کے
پاس کہلا بھیجا کہ مین آپ کی خدمت کے واسطے جان و دل سے
حاضر ہون اور اسکے صلہ مین پنجہزاری منصب پر سرافراز ہوگیا۔
۱۶۵۷ء مین شاہان دکن اور اورنگ زیب سے جو لڑائیان
ہوتین تو اس لٹیرے کے جی مین بھی گدگدی پیدا ہوئی اور دونون
فریقون کو ایک دوسرے سے لڑنے مین مشغول پاکر آپنے موقع
غنیمت سمجھا اور جونیر پر چڑھ دوڑا۔ مگر اورنگ زیب کی کامیابیون
کو دیکھکر اسکی بھی آنکھین کھل گئین اور سمجھ گیا کہ مین یہ چال
غلط چلا ہون۔ اور جلدی سے اپنی تقصیر کی معذرت کی۔ اور
قصور معاف کرالیا۔ اورنگ زیب تاج سلطنت کی فکر مین
شمال کی طرف کوچ کرنیوالا تھا۔ اسے تنی مہلت ہی کہان تھی کہ یہان
ٹھہرے اور اس ذلیل اور حقیر لٹیرے کو سزا کو پہونچاے۔

ملکی لڑائی مین جو کئی برس لگے اور ہندوستان کا نظم و نسق بدلتا رہا تو سیواجی کو بڑے بڑے موقعے ملے اور اُسنے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ دیا۔ خورد سال بادشاہ سکندر نے جو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تخت بیجاپور پر بیٹھا تھا اس گستاخ باغی کو ٹھنڈا کر دینے کی بہتیری کوشش کی مگر سب بے سود ہوئی۔ سنہ ۱۶۵۹ء مین جو فوج اُسپر یلغار کر کے گئی اُسکی قسمت مین شکست فاش لکھی ہوئی تھی۔ اُس کا سپہ سالار بڑی دغابازی کے ساتھ مارا گیا۔ سیواجی خوب جانتا تھا کہ طاقتور غنیم سے میدان مین مقابل ہونے کا میرا منھ نہین ہے۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ کس موقع پر ہمت کے بجاے چالاکی کو کام مین لانا چاہیے۔ اور جب مسلمان دشمن سے مقابلہ ہو تو اُسکو نیست اور ایمانداری کا بھی خیال نہین ہوتا تھا۔ جب افضل خان نے فوج کثیر لیکر گھاٹون کے قلعون اور جنگلون پر چڑھائی کی تو اِس مرہٹے نے بڑی عاجزی اور انکسار سے کام لیا اور بہت بہت معذرت چاہی۔ اور اپنی ارادتمندی کے اظہار کی غرض سے تخلیہ کی ملاقات کا طالب ہوا۔ اور کہلا بھیجا کہ سپہ سالار صاحب

بھی اکیلے آئیں مین بھی اکیلا حاضر ہونگا۔ یہ قصہ اُس طریقہ کا شستہ
نمونہ انزخرد ارسے ہے جسپر عمل کرکے مرہٹے برسر عروج ہوئے تھے۔
افضل خان بہت کچھ سیواجی کی عاجزی سے متاثر ہوا اور کسیقدر
اُسکے تحائف کی وجہ سے بھی پسیجا۔ غرض یہ کہ ملاقات پر راضی ہوگیا۔
اُسکو تو اپنے دشمن کی ایمانداری پر بھروسہ تھا۔ مرہٹون کے قلعہ کے
نیچے جو مقام ملاقات کا تجویز ہوا تھا وہان نہتا پہونچا۔ اور اپنے
ساتھیون کو ایک تیر کے فاصلہ پر پیچھے چھوڑکر اُس عذر خواہ سے ملنے
اکیلا گیا۔ سیواجی قلعہ سے اکیلا اُترا۔ مگر عاجزی کے مارے جھکا جاتا
تھا اور خوف کے مارے لرز رہا تھا۔ تھوڑی دور چلتا تھا اور ٹھہر جاتا
تھا اور اپنے آقا یعنی بادشاہ کے خلاف جو جو نمکحرامیان کی تھین اُنکا
اقرار کرکرکے اپنے آپ کو نفرین کرتا تھا۔ وہ خوف کے مارے اُسوقت
تک قریب نہین آیا کہ افضل خان نے اپنی پالکی کے کہارون کو کچھ
فاصلہ پر نہین ہٹا دیا اور اُس جنگل مین بالکل اکیلا نہین ہوگیا۔ اس
سپاہی کے دل کو بھلا اس کانپتے ہانپتے شخص سے کیا دہشت ہوتی
جو روتا ہوا آکر اُسکے پاؤن پر گر پڑا۔ اُسنے اُسے پکڑ کر اُٹھایا اور چاہتا تھا

رقی طریقہ کے مطابق بنا گیر زرہ کہ یکا یک فولاد کے چنگلون مین
س گیا - مرہٹہ ہاتھون مین شیر پنجہ لیے ہوے تھا - اسکے پنجے استرہ
طرح تیز ہوتے ہین - اُسکا معانقہ کیا تھا بلاے بے درمان تھی -
ل کے منھ سے آواز بھی نہ نکلی - وہین کا وہین ٹھنڈا ہو گیا -
اس مرہٹہ نے حملہ کا بگل بجایا اور مسلح ڈاکو ہر درخت او چٹان
نکلکر بیجا پوریون پر ٹوٹ پڑے کہ وہ بیچارے بیخبری کی حالت
ن بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے سپہ سالار کی واپسی کا انتظار
ہے تھے - لڑنے کا خیال ہی فضول تھا - سنگ آمد و سخت آمد
ضمون تھا - مگر خیر ان لوگون کو یہی غنیمت معلوم ہوا کہ غنیم نے اُنکے
قدری کا برتاؤ کیا - سیواجی کا مطلب تو حاصل ہو ہی گیا تھا -
بیفائدہ خونریزی کرنا کبھی اُسکا شیوہ نہ تھا - اُسنے سبکو پناہ دی
مغلوب سپاہی سب اُسکے جھنڈے کے نیچے ہو گئے - اُسکے واسطے
کافی تھا کہ اُسنے سب اسباب پایا جنس پائی خزانہ پایا گھوڑے
ہاتھی پائے اور بیہودہ خونریزی نہین ہونے پائی -
بیجاپور سے اُنکی سرکوبی کے واسطے پھر فوج آئی اور پھر شکست

خاش کھاکر واپس گئی۔ اسکے بعد دائی دکن نے اسکو اپنے حال
چھوڑ دیا اور یہ نئی فوج بھرتی کرنے لگا نئے قلعے بنانے شروع کر
اور جسطرف مزاج مین آیا لوٹ مار کرتا رہا۔ اسکی غارتگری درجہ بدرجہ
ترقی کرتی گئی مگر سخت قواعد کی پابندی برابر ملحوظ رہی۔ وہ قافلو
اور کاروانون کو گرفتار کرکے مال و دولت لے لیا کرتا تھا مگر مسجد
کی بیحرمتی اور عورتون کی بیعزتی کسیطرح روا نرکھتا تھا۔ اگر قرآن
لوٹ مین آتا تھا تو اُسے بہت ادب کے ساتھ کسی مسلمان کی
کر دیتا تھا۔ اگر عورتین گرفتار ہوتی تھین تو جب تک زر فدیہ ا
کرکے کوئی اُنکو چھڑا نہ لے وہ برابر اُنکی حفاظت کرتا تھا۔ سیواجی
نام کو بھی شہوت پرست یا وحشی مزاج نہ تھا۔ مگر غنیمت کی تقس
مین اُسکی ہوس بہت بڑھی ہوئی تھی۔ معمولی چیز ملتا تو پانیوالا
مالک ہوتا تھا مگر نقدی سونا چاندی جواہرات اور اطلس و زربفت
برابر سرکار مین داخل ہو جاتے تھے*

اب سیواجی کی شمالی علداری ساحل بحری پر چڑھائی س

* منقول از تاریخ خفی خان۔

سے اوپر پہنچ گئی تھی اور کلیانی سے لیکر پرتگالی عملداری گوا کے
قریب تک اُسی کا دور دورہ تھا۔ گھاٹون کے مشرقی جانب
پونا سے لیکر دریاے کرشنا کے کنارے تک سب اُسی کا تھا۔
اور بعض بعض مقامات پر اس مشرقی عملداری کا عرض بھی ستو میل
کا تھا۔ عملداری تو کچھ بہت بڑی نہ تھی مگر اسی عملداری مین فوج کی
تعداد پچاس ہزار جوانون سے اوپر تھی اور یہ فوج بڑے استقلال
وہمت کے ساتھ جمع کیگئی تھی۔ اپنے پہاڑی جنگلون کے شیر کیطرح
سیواجی گھاٹ مین ہوشیار رہتا تھا اور جب موقع ہوتا تھا تو جست
کر کے شکار پر آ ٹوٹتا تھا۔ اُسکی کامیابی کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ نہایت
درجہ کا چالاک تھا اور یہ بھی تھی کہ وہ حملہ کرنے مین بہت دلیر تھا۔
اسکو اپنے مشرقی پڑوسی والی بیجاپور سے تو کوئی کھٹکا رہا نہین
گیا تھا اور خوب بیجی بھر کے اُسکی عملداری مین لوٹ مار کر چکا تھا۔
اب اُسکا جی چاہتا تھا کہ غارتگری کے واسطے نئے نئے مقامات مین
ہندو لوگ اُسکے دوست بنگئے تھے اور لوٹ مار کا موقع بہت کم
رہتے تھے۔ چنانچہ وہ اب شمال کی طرف عملداری مغلیہ پر متوجہ

ہوا۔ اسوقت تک اُسنے یہ احتیاط ملحوظ رکھی تھی کہ اپنے آقا کو ناراض
نہ کرے۔ مگر اب اُسنے اپنے آپ مین لڑائی کا بوتا دیکھ لیا۔ اس کی
لوٹ مار کی کبھی نہ بجھنے والی پیاس مغلی اضلاع مین خوب سیراب
ہوئی۔ اور اگرچہ وہ دارالحکومت پر حملہ کرنے سے اس خیال سے
باز رہا کہ مبادا بادشاہ اُسکو نیست و نابود کر دینے کے واسطے لڑائی
پر اٹھ کھڑا ہو تاہم اُسکے حملے پایۂ تخت اورنگ آباد کے دروازون
تک پہونچ گئے کہ یہ اورنگ آباد اس زمانہ مین سلطنت مغلیہ کا
دکن کا دارالحکومت تھا۔ اورنگ زیب کا ماموں شایستہ خان
دکن مین فرمانروا تھا۔ اُسکو حکم ہوا کہ ان ہنگامون کو فرو کرے۔
چنانچہ ۱۶۶۰ء مین وہ مرہٹون کا ملک لینے کے واسطے روانہ ہوا۔
اُسے معلوم ہوگیا کہ باوجود اسکے کہ ہندوستان کی اچھی سے اچھی
فوج اُسکے ساتھ تھی ان ٹیرون کا تباہ کر دینا جیسا آسان معلوم ہوتا
تھا ویسا نہین ہے۔ ہر قلعہ کے لینے کے واسطے محاصرہ رکھنا پڑتا
تھا اور بہت بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا۔ [illegible]
[illegible] وہ حالات ذیل مین نقل کیے جاتے ہین جو خفی خان

سیواجی کے خاص قلعہ چاکنا کی تسخیر کے قلعے ہیں۔

در پھر فوج شاہی قلعۂ چاکنا کی طرف بڑھی اور اسکی دیوارون
اور برجون کی دیکھ بھال کے بعد خندقین کھود کر مورچہ باندھ لیا
اور اپنی حفاظت کا سامان پورا کر کے قلعہ کے نیچے سرنگ دوڑانی
شروع کر دی۔ اسطرح کے بندوبست کیے کہ کوئی دقیقہ تسخیر کی
کوشش میں باقی نہ چھوڑا۔ اس ملک میں برسات پانچ مہینے
کی ہوتی ہے اور بارش اس کثرت سے ہوتی ہے کہ کوئی گھر سے
باہر نہیں نکلتا۔ ایسی ایسی گھنگھور گھٹائیں اٹھتی ہیں کہ دن کو
رات ہو جاتی ہے اور اکثر چراغ جلانے کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ بغیر
چراغ کی روشنی کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھائی دیتا۔ اگرچہ خندقین بیکار
ہو گئی تھین باروت خراب ہو گئی تھی کمانون کے چلّے اتر گئے تھے
تاہم محاصرہ بڑی سرگرمی سے قائم رکھا گیا اور توپون سے گولہ باری
کر کے قلعہ کی دیوارین توڑ ڈالی گئین۔ محافظان قلعہ بہت تنگ
اور پریشان ہو گئے۔ مگر پھر بھی اندھیری راتون کو نکل نکل کر مورچون
میں آ جاتے تھے اور بڑی جرأت خیز دلیری سے لڑتے تھے کبھی کبھی

قزاقوں کی باہر والی فوجیں اندر والی فوج سے مل کر دن رات بڑے حملے
کرتی تھیں اور مورچوں کی حالت بہت خطرہ کی ہو جاتی تھی۔
پچاس دن ماتھوڑے کے محاصرے کے بعد ایک برج جس کے نیچے سرنگ
تیار ہو گئی تھی اُڑا دیا گیا۔ پتھر اور اینٹیں اور آدمی کبوتروں کی طرح
اُڑتے نظر آتے تھے۔ شاہ کے بہادر سپاہیوں نے خدا پر بھروسہ کر کے
ڈھالیں اپنے سامنے کیں اور بڑے زور شور سے حملہ کیا اور بڑے
استقلال سے لڑے۔ مگر کافروں نے قلعہ کے اندر ایک مٹی کی
دیوار بنا رکھی تھی اور جا بجا مورچے قائم کر لیے تھے۔ دن بھر لڑائی
ہوتی رہی اور بہت سے حملہ کرنے والے مارے گئے۔ مگر بہادر جاں بازوں
نے میدان سے ہٹنا پسند نہ کیا اور بغیر کچھ کھائے پیئے آرام کیے ساری
رات اسی خونی میدان میں کاٹ دی۔ آفتاب کے نکلتے ہی پھر
حملے شروع کر دیئے اور بہت سے محافظان قلعہ کو تہ تیغ کر کے بڑی
ہمت اور استقلال سے اس قلعہ کو زیر کیا۔ محافظان قلعہ میں جو
لوگ زندہ بچے وہ بالا حصار میں چلے گئے۔ اس حملہ میں شاہی فوج
کے تین سو آدمی کام آئے۔ علاوہ ان کاریگروں اور معماروں کے

وغیرہ کے جو محاصرہ کے کام پر تعینات تھے چھ سو سات سو سوار اور
پیادے پتھروں اور گولیوں اور تیروں اور تلواروں سے زخمی ہوئے
آخرکار بالا حصار والوں نے اطاعت کر لی اور چاکن کا نام بدلکر
اسلام آباد رکھا گیا۔ مگر اس طرح کے محاصروں اور حملوں سے جو فتح کا
فائدہ ہوتا تھا اُس سے نقصان کہیں بڑھا ہوا ہوتا تھا۔ عین اسی زمانہ
مین جبکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ مغلوں نے مرہٹوں کے ملک کے
شمالی حصہ مین پورا تسلط جما لیا ہے اور سیواجی بھی پہاڑیوں مین چھپکر
بیٹھ گیا ہے ایک ایسا اندھیر ہو گیا کہ سب کی آنکھیں کھل گئیں۔
شایستہ خان رات کے وقت پونا مین اپنے جاڑے کے گرم کمرن
مین سو رہا تھا۔ رمضان کا مہینہ تھا دن بھر کے روزہ دار رات کا
کھانا کھا رہے تھے کہ یکایک قتل اور خونریزی کی آوازیں آنے لگین
مرہٹے شایستہ خان کے ملازموں کے گلے کاٹ رہے تھے۔ یہ
لوگ پہرہ والے مکان مین گھس آئے اور جو لوگ سر کے نیچے تکیے
رکھے سو رہے تھے انکو یہ کہکر کہ اس طرح پہرہ دیا جاتا ہے ختم
کر دیا۔ پھر مغلوں کے نقارے لیکر اس زور شور سے بجانے شروع

لیے کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ شایستہ کا بیٹا تو اسی
ہنگامہ میں مارا گیا۔ چند وفادار کنیزوں نے سپہ سالار کو کسی طرح
گھسیٹ گھساٹ کر بہزار خرابی کھڑکی کے رستے نکال دیا۔

یہ ذکر ہے ۱۶۶۳ء کا کہ جب فوج مغلیہ کو ان قزاقوں کے زیر کرنے کی
کوشش کرتے ہوے پورے تین برس ہو چکے تھے۔ آیندہ کی حالت
اچھی نظر نہ آتی تھی۔ اور اور زیادہ خرابی اس سے پیدا ہو گئی کہ
مغل سپہ سالار نے اپنے ہمعصر جسونت سنگھ پر یہ الزام لگایا کہ یہ شبخون
اسی کی دغابازی کے سبب سے ہوا۔ یہ راجہ پہلے بھی دغا دے چکا
تھا۔ بنگالہ کی سب سے بڑی لڑائی میں لڑائی سے ایک دن پہلے
اُسنے شجاع کی طرف جا ملنے کی کوشش کی تھی۔ اُسنے دارا سے
عہد و پیمان کیے تھے اور پھر اُس بدنصیب شہزادے کو چھوڑ کر
اورنگ زیب کی طرف ہو گیا تھا۔ اور اُسپر یہ بھی شبہہ تھا کہ روپیہ
کی طمع اُسپر غالب ہے۔ مگر چونکہ معاملہ میں اُسکے خلاف کوئی بات ثابت
نہیں ہوئی۔ اور اورنگ زیب نے بھی یہ سمجھا کہ اس شخص کے
فن جنگ کی قابلیت اور اسکے راجپوت ہمراہیوں کی بہت قدر

کرنی چاہیے اور خفیف سی بات پر اس سے بگاڑ لینا مناسب نہیں
ہے۔ چنانچہ شایستہ خان کو واپس بلا لیا اور بنگالہ تبدیل کر دیا۔*
اور شہزادہ معظم بادشاہ کا دوسرا بیٹا دکن کو بھیجا گیا کہ راجہ
جسونت سنگھ کے ساتھ رہ کر دکن میں حکمرانی کرے۔ سیواجی نے
اس تقرر کی خوشی اس طرح پر منائی کہ چالیس دن تک (حسب
بیان فرایر) سورت کو لوٹتا رہا (جنوری و فروری ۱۶۶۴ء)۔
سر جارج آکسنڈن نے البتہ بہت نامودی کے ساتھ ہمکو انگریزی
کارخانہ سے مار بھگایا مگر شہر سے بہت غنیمت اُسکے ہاتھ آئی۔
سچے مسلمان کے واسطے اس سے زیادہ غصہ دلانے والی اور
کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ سورت باب الحج سمجھا جاتا تھا۔
مگر یہ بدعتیں بھی سیواجی کی اس حرکت کے مقابلہ میں ہیچ ہو گئی
کہ اُسنے ساحل پر جو قلعے بنا رکھے تھے اُن سے ایک بیڑہ جہازوں کا
اس غرض سے تیار کیا کہ اُن مغلی جہازوں کو راستہ میں تباہ کرے

* شایستہ خان نے سنہ ۱۶۹۴ء میں ۹۲ برس کی عمر کو پہونچکر بنگالہ میں انتقال کیا۔

جنمین سے اکثر ان حاجیون سے بھرے ہوئے تھے جو مکہ معظمہ سے
حج کرکے واپس آرہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اُس نو دولت
قزاق کی گستاخی کی کوئی حد ہی نہین رہی۔ اور اب چونکہ اُسکا باپ
مرچکا تھا اسلیے اُسنے راجہ کا خطاب بھی اختیار کرلیا تھا اور باوجودیکہ
ذلیل ہی طبقہ کا مرہٹہ تھا سکون پر بھی اپنا ہی نام کندہ کرانے لگا تھا
سپہ سالار پھر بدلے گئے۔ جسونت سنگھ کے پرانے حالات سے
اِس شبہہ کو تقویت ہوئی کہ اُسنے غارتگران سورت کی طرف سے
باعث ہندو ہونے کے اپنی آنکھین بند کر رکھی ہین وہ وہان سے ہٹایا
گیا اور اُسکی جگہ راجہ جے سنگھ اور دلیر خان مشترکہ حاکم دکن مقرر
ہوئے۔ اورنگ زیب کو کسی پر اسقدر بھروسہ نہ تھا کہ اُسکو اکیلا
چھوڑ دے۔ ایک شریک ضرور ساتھ کردیتا تھا تاکہ ایک کو دوسرے
سے اندیشہ رہے۔ اور اسی منقسم حکومت کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کام
بے اختیاری اور بیدلی سے ہوتا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اِس صورت
خاص مین جے سنگھ اور اُسکے رفیق نے بڑی مستعدی دکھلائی۔ پانچ
مہینے تک برابر یہ لوگ قلعون کے تسخیر کرنے اور ملک کو تاخت و تار

کرنے مین مصروف رہے۔ آخرکار سیواجی نے عاجز آکر جے سنگھ سے
مصالحت کی گفتگو شروع کر دی اور اس بات سے بہت غیر معمولی حیرت
پیدا ہوئی۔ مرہٹہ سردار شخص اسی بات پر راضی نہین ہو گیا کہ اپنے
مقبوضات کے بیشتر حصہ سے دست بردار ہو جاے اور پھر بادشاہ کا تابع
فرمان ہو جاے بلکہ اُسنے یہانتک کیا کہ دہلی گیا اور بذات خاص
مغل اعظم کے دربار مین اس غرض سے حاضر ہوا کہ اپنے آقا کے حضور
مین حاضر ہو کر سر تسلیم جھکائے اور اُسکے صلہ مین حکومت دکن کا طالب
ہو۔ کس قدر دلچسپ تماشہ اُسوقت نظر آیا ہوگا کہ جب پرانے جاہ و حشم
دربار شاہی مین یہ دہقانی چھوٹے قد کا "پہاڑی چوہا"
حاضر ہوا ہوگا۔

مگر اس ترکیب مین کامیابی نہوئی۔ یہ بات صاف ظاہر ہے
کہ اورنگ زیب نہین سمجھا کہ مجکو کیسے آدمی سے سابقہ ہے اور اُسنے
اس مرہٹہ کی مدارات مین جو پولٹیکل مصلحت بینی کے خلاف طریقہ
اختیار کیا وہ بہت عجیب ہے۔ سارے ہندوستان بھر مین کوئی
والی ملک اور کوئی سپہ سالار دکن کی سلطنتون پر چڑھائی کر سکین

بادشاہ کو اسقدر رعب نہین دیسکتا تھا جسقدر یہ وحشی پہاڑی دیتا جو
آخرکار اُسکے پاس اظہار ارادتمندی کیواسطے حاضر ہوا تھا۔ ایسے
شخص کو رفیق بنا لینے کے لیے جو جو مراعات کی جاتین تھوڑی تھین۔
مگر اورنگ زیب متعصب تھا اور بعض باتون کی اُسے جھک بھی
ہو جاتی تھی۔ وہ اس بات کو کب دل سے بھلا سکتا تھا کہ سیواجی
سخت متعصب ہندو ہے اور پھر اُسپر طرہ یہ کہ ایک ادنی درجہ
کا قزاق ہے۔ اُسنے اس بات کی کوشش کی کہ اس مرہٹہ کو یہ
دکھلاوے کہ اُسکی حقیقت کیا ہے۔ حاکم دکن مانا جاتا تو دور کنار
دیوان عام مین تخت کے سامنے جو مجرائی حاضر ہوتے تھے اُنمین
یہ بھی تیسرے درجہ کے افسرون کی صف مین کس مپرسی کے عالم
مین کھڑا رہا٭۔ اسطرح سخت ذلیل ہو کر یہ اپنے قدر مرہٹہ شرم اور غصہ

٭ اس ملاقات مین کوئی بھید ضرور ہے۔ خفی خان نے لکھا ہے کہ کیا عجب
کہ یہ بات ہو کہ اورنگ زیب کو اس بات کا علم نہ ہو کہ جے سنگھ نے میری طرف سے
بڑے بڑے وعدے سیواجی سے کر لیے ہین۔ بہرحال اور خود اورنگ زیب کی
سرد مہری کی تاریخ بیان کرتے ہین کہ جب یہ مرہٹہ حاضر ہوا تو شکل [illegible]

سے پیچ و تاب کھاتا ہوا بغیر رخصت ہوئے وہاں سے چل دیا۔ بجائے
اسکے کہ ایسے بڑے رفیق کو ملا لیتا اورنگ زیب نے اپنا جانی
دشمن پیدا کر لیا۔

۲ کی بیوی کے اور بہت سی عورتوں نے جنکے لڑکے مرہٹوں کے ہاتھ سے مارے گئے
تھے بڑا شور و واویلا مچایا۔ یہ تو بہت قرین قیاس ہے کہ سیواجی اس خوف سے
دہلی سے بھاگا ہو کہ مبادا میرے مقتولوں کے عزیز و اقارب مجھے قتل کر ڈالیں
گر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتوں کی فریاد سے اورنگ زیب نے یہ طرز مدارات کیوں
اختیار کیا۔ وہ ایسا شخص تھا کہ کسی عورت کی خواہش پوری کرنے کو اپنے ارادہ
[illegible]ام کو بھی ڈگمگا جانا۔ یہ افواہ کہ اُسنے چشم پوشی کر کے سیواجی کو بھاگ جانیکا
موقع دیا کہ (جیسا کہ فرایر صاحب لکھتے ہیں) اسطرح اُسکی جان بچا کر اُسکو دوست
بنالے بالکل لغو اور بے اصل ہے۔ یقیناً اورنگ زیب کو یہ معلوم تھا کہ سیواجی
کی دوستی سے زیادہ فائدہ سیواجی کی موت سے ہوگا۔ اور اُسکی دوستی کو وہ نظر
حقارت سے دیکھتا تھا۔ اور بعد میں جو واقعات پیش آئے اُنسے بھی ظاہر ہے
کہ سیواجی نے کبھی یہ نہیں سمجھا کہ بادشاہ کی مہر سے میں اپنی جان سلامت
لیکر نکل آیا۔

اورنگ زیب کو بھی اپنی غلطی بہت جلد معلوم ہو گئی۔ سیواجی
باوجود اسکے کہ اسکے مکان پر پہرہ تعینات تھا ایک ڈولی مین چھپکر نکل گیا
اور دربار کی نامبارک حاضری کے نو ہی مہینے بعد ۱۶۶۶ء کے آخر
مین گھاٹون مین پھر وہی پرانا رنگ جما دیا۔ اسنے دیکھا کہ مغلون
نے گھاٹون کے قلعون کو قریب قریب بالکل خالی چھوڑ رکھا ہے
اور بیجاپور کے بے سود محاصرے مین مصروف ہین۔ اسنے موقع
غنیمت سمجھا اور اپنے پرانے قلعون کو پھر دبا بیٹھا۔ اس زیادتی
کی سزا بھی اسے نہین ملی کیونکہ ہندوون کا دوست اور رشوت
سے ہاتھ گرم کرنے والا جسونت سنگھ پھر دکن مین برسر حکومت تھا
اسکی سفارش کا یہ اثر ہوا کہ ایک نیا صلحنامہ تیار ہوا اور اسکی رو
سے سیواجی راجہ مان لیا گیا اور برار کی نئی جاگیر کے علاوہ اور
بہت سا ملک اسکو ملگیا۔ والیان بیجاپور و گولکنڈہ نے بھی
مغلون کی اس ترکیب کی تقلید کی اور سالانہ خراج دینے کا وعدہ
کرکے مرہٹون کی طرف سے بے خوف ہو گئے۔ لڑائی اور لوٹ مار
بند ہو گئی تو سیواجی نے رایگڑھ کی بلند پہاڑی پر اپنا دارالحکومت

یا جو بعد میں راے گڑھ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ مقام جزیرہ
ے ٹھیک پورب میں واقع ہے۔ اور یہاں بیٹھے بیٹھے مرہٹہ
ردار اپنی سلطنت کے استحکام کی فکر میں کرتا رہا۔ اُسکی فوج
ت عمدہ طور سے مرتب تھی اور افسر بہت اچھے تھے سپاہیونکو
واہین معقول ملتی تھیں سپاہ گیر وا تنخواہیں نہیں دیتے
تھے سرکار سے تنخواہ ملتی تھی۔ اور لوٹ مار میں جو خزانہ ملتا تھا
و سرکار کا ہوتا تھا۔ اُسکے مالی اہلکار تعلیم یافتہ برہمن تھے کیونکہ
رہٹے بالکل ناخواندہ تھے۔ فوج اور حکومت میں کفایت اور
نظام میں انصاف اور دیانت داری یہ باتیں ایسی تھیں جنکی
جہ سے اس نامور مرہٹہ کی حکومت بہت ممتاز رہی۔

اورنگ زیب نے شاید پہلے تو کسیقدر کوشش مصالحت
ن کی مگر تھوڑے دنوں میں رنگ بدل گیا اور کھلم کھلا لڑائی
ن گئی۔ شاید اُسنے جسونت سنگھ کو اسی امید پر مامور کیا تھا
ہ یہ سیواجی کو پھر پھسلا لیگا۔ بہرحال یہ منصوبہ چلا نہیں۔ اب
ورنگ زیب کو معلوم ہو گیا کہ میں نے دلی میں خلاف مصلحت

بہت زیادہ شان کی لیکر اپنا بڑا دشمن جانی بنالیا ہے ۔ ادھر
مرہٹہ کو اپنی پرانی غارتگری کی زندگی پر عود کر آنے میں کوئی تامل
نہیں ہوا ۔ اُسنے اپنے بہت سے پرانے قلعے چھڑا لیے اور سنہ ۱۶۷۰ء
پھر سورت پر حملہ کیا اور اپنے چالاک سواروں کو خاندیش میں ڈاکہ
ڈالنے کو بھیجدیا اور یہانتک کیا کہ ایک مغلیہ فوج کو سر میدان شکست
دی اور سارے جنوبی کانکن پر (باستثناء اُن بندرگاہوں اور ضلعوں
کے جو انگریزوں و پرتگالیوں وحبش والوں کے قبضہ میں تھے
اپنا تسلط جما لیا اور وہ رشوت لینی شروع کردی جو مرہٹوں کے چوتھ
کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ رقم مالگزاری کے ایک چوتھائی حصہ کے
برابر ہوتی تھی اور اسکے ادا کرنیوالے ڈاکوؤں سے محفوظ رہتے تھے
اسنے شمال میں بھی بروچ تک دھاوے کرنے شروع کردیے ۔ ادھر
مرہٹوں نے بہت منحوس نظیر قائم کی کہ نربدا کو عبور کیا (سنہ ۱۶۷
پھر سیوا جی جنوب میں اپنے باپ کی پرانی جاگیر کی طرف متوجہ ہوا
یہ جاگیر تنجور تک چلی گئی تھی اور اب والی بیجاپور کی طرف سے سیوا جی
کے چھوٹے بھائی کے قبضہ میں تھی ۔ سیوا جی نے شاہ گولکنڈہ دست

اتفاق کر لیا کہ شاہ مذکور کو بیجاپور کی برتری کا بڑا حسد تھا۔ اور تیس
ہزار سوار اور چالیس ہزار پیدل کے ساتھ وہ اس سے ملکر جنوب کی طرف
روانہ ہوا تاکہ غنیم کے پیرو نجات کے حصول پر قبضہ کرے اور اپنے
بھائی کے دل میں جوش برادرانہ پیدا کر دے۔ ۱۶۷۷ع میں وہ
مدراس کے قریب ہو کر گزرا جنجی (جو کالکمن سے ۶۰ میل ہے) اور
ویلور اور آرنی فتح کر کے اپنے باپ کے سارے علاقہ پر قابض ہو گیا
اگرچہ بعد میں مالگزاری میں سے اپنے بھائی کو بھی حصہ دیتا رہا جب
وہ اٹھارہ مہینے باہر رہکر گھاٹوں میں واپس آیا تو مغلوں کو بیجاپور
کا محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور کیا اور اسکے صلہ میں دولت محصورہ سے
بڑی بڑی تفویضات اپنے حق میں کرالیں۔ ابھی وہ اپنی عملداری کے
اور زیادہ بڑھانے کی فکر ہی میں تھا کہ دفعتاً ایسا بیمار پڑا کہ اسکی
غیر معمولی ترقیوں کی زندگی کا خاتمہ ۱۶۸۰ع ہی میں ہو گیا کہ ابھی وہ پورے
تریپن برس کا بھی نہ ہوا تھا۔ اسکی وفات کی تاریخ ہوئی "کافر بجہنم رفت"*

* خفی خان کو اس مادۂ تاریخ کے نکالنے پر بڑا ناز ہے۔ بحساب ابجد اسکے
۱۰۹۱ ہوتے ہیں۔ اور ۱۰۹۱ھ مطابق ہے ۱۶۸۰ع کے۔

در اگرچہ سیواجی ایک بڑے سردار کا بیٹا تھا مگر اُسنے اپنی زندگی کی
ابتدا بحیثیت ایک جری اور چالاک ڈاکوؤن کے سردار کے کی تھی
اور بڑھتے بڑھتے بڑا ہوشیار سپہ سالار اور لائق مدبر بنگیا تھا۔ اُسنے
اپنی ایسی نظیر چھوڑی ہے کہ آج تک اُسکے ملک والون مین سے کوئی
بھی برابر ہونا تو درکنار اُسکے لگ بھگ بھی نہ پہونچ سکا۔ اُس وقت
ملک کی حالت ایسی ابتر ہو رہی تھی کہ ایک چھوٹے سے سرگروہ کو
بڑے بڑے کارنمایان کر جانے کا موقع تھا۔ مگر اورنگ زیب کی
غلطیون سے فائدہ اُٹھانا اور مذہبی حمیت کو مشتعل کر کے مرہٹون مین
قومی جوش پیدا کرنا سیواجی ہی سے شخص کا کام تھا۔ یہی جوش و مذہبی
حمیت تھی جسکی بدولت اُسکی سلطنت باوجود اُسکے جانشینون کی کمزوری کے
اور بہت سی اندرونی بدنظمیون کے اُسوقت تک قائم رہی کہ مرہٹون کو
ہندوستان کے بڑے حصہ پر برتری حاصل ہوگئی۔ اگرچہ جس طرح کی
غارتگری کی لڑائی وہ لڑتا تھا اُس سے بیحد نقصان پہونچتا اور
مصیبت کا آنا لازمی تھا تاہم اُس کے دشمن بھی اُس کے مداح
ہین کیونکہ اُسکو اِس بات کا بڑا اہتمام تھا کہ رحمدلی کے قاعدون سے ا

نقصان کی تلافی کرے اور ان قاعدون کی پابندی بہت سختی کے ساتھ کیجاتی تھی۔ آخر زمانہ مین اُسکی مذہبی سختی اور اوہام باطل کا زور بہت بڑھ گیا تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِن باتون کی وجہ سے اُسکی دانشمندی مین فتور نہین پڑنے پایا اور نہ کبھی اُسکا مزاج بگڑا۔"*

ایک مسلمان مورخ لکھتا ہے کہ "وہ سیواجی کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اپنی عملداری مین رعایا کی عزت قائم رکھے۔ وہ بغاوتین کرتا تھا۔ قافلون کو لوٹتا تھا۔ بنی نوع انسان کو تکلیف دیتا تھا۔ مگر کمینہ پن کی خطاؤن سے بالکل بری تھا۔ اور جب مسلمانون کے بچے اور عورتین اُس کے ہاتھ مین پڑجاتی تھین تو اُنکے ناموس کا بہت خیال کرتا تھا"۔ اورنگ زیب کو خود اقرار تھا کہ "میرا دشمن بہت بڑا سردار ہے" اور یہ بھی کہتا تھا کہ "میری فوج اُنیس برس تک اُسکے درپے رہی تاہم اُسکی سلطنت برابر بڑھتی ہی گئی"۔

* ماخوذ از ہسٹری آف انڈیا مصنفہ الفنسٹن صاحب طبع پنجم (۱۸۶۶ء) صفحہ ۶۵۰۔

۱۰ باب

تسخیر گولکنده

دکن مین اورنگ زیب کے سرداروں کی کارگزاری بہت خراب رہی مگر قصور اورنگ زیب ہی کا تھا۔ اُسکی بے اعتباری کی وجہ سے ان لوگون کی کوششین بیکار ہوگئی تھین فوج کی سالاری ایک دوسرے سے جلنے والے رقیبون مین منقسم تھی۔ اور جو فوج اُنکو دی گئی تھی وہ اس کام کے واسطے کافی نہ تھی کہ سیوا جی کا کام تمام کرسکے یا جنوبی شاہون کو زیر کرسکے اور سپہ سالارون کے جلدی جلدی بدلتے رہنے سے الگ کرکوشش نہین ہونے پاتی تھی۔ یہ ممکن ہے کہ بادشاہ کو خود بھی یہی مقصود رہا ہو کہ اُسکی فوج دکن مین بہت مجہول طریقہ سے ترقی کرے۔ شاید اُسکا منشا یہ ہو کہ جنوب کی طاقتون کو جو ایک دوسرے کی دشمن ہو رہی ہین اس بات کا موقع دے کہ وہ آپس ہی مین کٹ مرین

اور پھر لڑائی سے عاجز آگئے ہوسے خراب و خستہ دشمن پر آسانی سے غلبہ
ہو جاسے۔ جہان تک بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنتون سے واسطہ
تھا اُسکی یہ پیش بینی بالکل ٹھیک اُتری۔ اُنکی فوجین رفتہ رفتہ بہت
کم ہو گئین اور یہ نوبت پہونچ گئی کہ مرہٹون کو چوتھ دیجانے لگی۔
گولکنڈہ تو مغلون کے ہاتھون خوار ہو ہی چکا تھا۔ بیجاپور بھی ۱۶۸۶ء
مین مغلون کا ہو گیا مگر سیواجی کی مزاحمت کی بدولت بچ گیا
غرض دکن کی قدیم سلطنتون کے کمزور کر دینے کا یہ پھل ملا کہ مرہٹون کا
زور بڑھ گیا۔ جو جنوبی علمداری سیواجی کے باپ نے شاہ بیجاپور کو
فتح کر دی تھی وہ سیواجی نے لے لی تھی مغربی گھاٹون اور کاکن مین
سیواجی کا پورا تسلط تھا اور اُسکے قلعون مین سے برابر یلغارین جاتی
رہتی تھین اور جہان سے چوتھ عاجزی کے ساتھ نہین ادا ہوتی تھی وہین
آفت و تاراج کرتی تھین۔ بڑا سردار تو ضرور مر گیا تھا مگر جو قوم اُسنے
بنائی تھی اُسمین اُسکے جوہر باقی رہ گئے تھے۔ اورنگ زیب اِن لٹیرون
کی طاقت کا اندازہ نہین کر سکا۔ وہ منتظم سلطنتون اور باقاعدہ فوج کی
وقعت خوب جانتا تھا مگر مرہٹون کی بیقاعدہ طاقت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ

اُسکو کبھی نہین ہوا۔ حتی کہ برسون کی بے سود خرابی نے اُسکی آنکھین
کھولدین اور اسکی شہادت اُسنے اپنی آنکھون سے اسطرح دیکھ لی کہ
جزیرہ نما کے عرض وطول مین اُسکی بڑہی فوج کے ذبح کیے ہوے جگہ
جگہ مارے ہوے سپاہیون کے لاشے پڑے ہوے تھے۔
اورنگزیب نے چاہے اُس حالت کی نزاکت کی طرف
کم توجہ کی ہو جو اُسکی بے پروائی کی بدولت دکن مین ہو رہی تھی
اُسنے یہ ضرور سمجھ لیا کہ اب فیصلہ کر لینے ہی کا وقت آگیا ہے۔ اس
عرصہ مین اُسنے اودے پور کے راجپوتون سے مصالحت کر لی تھی اور
افغانستان کی کبھی نہ زیر ہونیوالی قومون کے مسخر کرنے کی فضول
کوشش سے دست بردار ہو چکا تھا۔ اور اگرچہ ان دونون معاملات
مین جو تدبیرین اُسکو مصلحت وقت کے لحاظ سے کرنی پڑین اُنکو وہ بالطبع
پسند نہ کرتا تھا تاہم اُسنے یہی مناسب سمجھا کہ راجپوتان اور افغانونکا
خیال فی الحال دل سے نکال ڈالے اور دکن کا گورکھ دھندا اپنے
ہاتھ مین لے۔ سنہ ۱۶۸۱ع کے آخر مین اورنگزیب برہانپور ہو پہنچا اور
فوج کی سالاری خود سنبھالی۔ اُسکو کیا معلوم تھا کہ اب دہلی دیکھنی قسمت

نصیب ہوئی اور پچیس ۲۵ برس کی سخت لڑائی کے بعد وہ اپنی رشید فو
جون لاشون کے ساتھ اُسی ملک مین دفن ہوگا جہان اُسکی سب سے
پہلی حکمرانی شروع ہوئی تھی - پینتالیس ۴۵ برس پہلے ۱۶۳۶ء مین وہ
سترہ برس کا گبھرو جوگی بنا ہوا اس ملک مین آیا تھا عنفوان شباب
کے زمانہ مین وہ ان دلپسند سلطنتون کو قریب قریب فتح کرچکا تھا
(۱۶۵۷ء) - اب تریسٹھ برس کی عمر مین اُسنے اپنا پرانا کام اُسی
مستعدی کے ساتھ شروع کیا - وہ اسقدر ہوش مین نہ تھا کہ یہ معلوم
کرلیتا کہ چوتھائی صدی اور گزرنے پر وہ پیر نود سالہ ہوجائیگا مگر پھر بھی
دکھن مین ڈٹا رہیگا اُسی دشمن سے لڑ رہا ہوگا اور اُسی مستقل طبیعت
کے ساتھ تکلیفون کو برداشت کرتا ہوگا تا آنکہ اُسکا قالب بالکل گھس
جائیگا اور جواب دیدیگا اور عنقاء روح قفس عنصری سے آزاد
ہوکر پرواز کرجائیگا -

بادشاہ نے پہلی تدبیر کی کہ اپنے بیٹون شہزادہ معظم و اعظم کو
فوج دیکر اس ملک مین بھیجا تا کہ مرہٹون پر رعب چھا جاوے مرہٹون
نے مقابلہ نہین کیا اور اپنے سنگستانی ملک کو چھوڑکر چلے گئے کہ یہ

ہم چھپے ہوسکتے تھے۔ تیز چشموں اور اونچے اونچے کراڑوں سے ٹکرین
کھانا اور بُری آب وہوا اور ناداری غذا کی تکلیف برداشت کرنے
مین سوائے نقصان کے فائدہ کیا ہوتا تھا۔ آخر شہزادوں کو حکم بھیجا
کہ بیجاپور کو مراجعت کرین اور اورنگ زیب خود احمد نگر کیطرف بڑھا
غنیم کا پیچھا چھوڑنا تھا کہ سیواجی کا بیٹا سنبھاجی فوراً اپنے تیسے
سواروں کو لیکر اُنکے پیچھے چلا اور خاندیش تک آکر برہانپور کو جلا کر
خاک سیاہ کردیا اور ہر طرف کے سارے ملک مین آگ لگا دی۔ اور
جب تک مغل انکے پاس پہونچین پہونچین پھر گھاٹون مین اپنے
پہاڑی قلعون مین جا بیٹھے۔ یہ نمونہ ہے اُس طریقہ کا جسکے مطابق مرہٹے
لڑا کرتے تھے جب تک اُنکو اپنی فوج کی کثرت کی وجہ سے جیتنے کا
پورا یقین نہ ہوتا میدان مین کبھی نہ لڑتے تھے جب مغل رسالو کے
بھاری بھاری گھوڑے اُنپر حملہ کرتے تو یہ جفاکش چھوٹے قد کے
جوانان اپنی ہی طرح کے جفاکش گھوڑوں پر سوار جس طرف جی چاہتا
نکل جاتے کیونکہ گھوڑے سدھے ہوئے تھے اور خوب کام دیتے
تھے۔ اور پھر غنیم کو کسی قریب کی پہاڑی یا جنگل سے دیکھتے رہتے تھے

فرداً فرداً جو کام یہ لوگ کرتے تھے اُنکا نتیجہ تھا بہت خطرناک ہوجاتا
تھا۔ مگر مغل اور قزاقون کے یہ لوگ اپنے دوستون کے ساتھ
بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ جو لوگ اُنکی مشروطہ چوتھ ادا کرتے
تھے اُنکو اُنکے لوٹ مار کرنے والے گروہون سے کوئی اندیشہ باقی نہین
رہتا تھا۔ اسیوجہ سے یہ لوگ دیہات والون مین بہت ہردلعزیز
تھے کہ یہ لوگ اُنکو قومی رہنما سمجھتے تھے اور بیرونیون کے
مقابلہ مین اپنا حامی تصور کرتے تھے اور جب اُنکو غرض خطرے مین
سمجھتے تھے تو ہر ایک دشمن کی حرکات کی خبرین اُنکو پہونچاتے رہتے
تھے۔ یہ کہنا شاید مبالغہ نہوگا کہ باستثناے بڑے بڑے شہرون کے
اور اُن مقامات کے جہان مغلی فوجین رہتی تھین سارا دکن عملی طور
پر ان ہنگامہ گر قزاقون کے ہاتھ مین تھا۔

اورنگ زیب جیسے تیز نظر بادشاہ نے یہ حال اُسوقت سمجھ لیا
ہوگا جب اُسکو بذات خاص مرہٹون سے سابقہ ہوا۔ مگر وہ اپنے
ارادون سے باز آنے والا نہ تھا۔ دشمن کے مذہبی جوش نے اُسکے
تعصب کو اور بھی بھڑکا دیا۔ اور اُسنے یہ ناعاقبت اندیشی کی کہ اُسی جزیہ

سختی کے ساتھ وصول کرنے کا فرمان جاری کیا جسکی وجہ سے بہت
قدر ہر دلعزیز ہوگئے تھے اور پھر یہ کیا بھی تو ایسے ملک میں جہاں
نت ضرورت اس بات کی تھی کہ سارے مسلمانی تعصبات کو بالکل
دور کر دیا جائے۔ اُسنے دکن میں پہونچتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ منحوس
زیہ کے وصول کے واسطے بڑے تاکیدی احکام جاری کیے۔
کون والوں اور انکے کھیا لوگوں نے مزاحمت بھی کی بلوے بھی
کیے مگر سب بے سود ہوے۔ ایک تو ازمودہ کار افسر میدل اور سواروں
کی فوج دیکر اس کام پر متعین کر دیا گیا تھا کہ بالجبر جزیہ وصول کرے
ور نافرمانوں کو سزا کو پہونچا دے۔ یہ بات دیکھنے کی ہے کہ تین ہی
مہینے میں اس ہوشیار افسر نے یہ رپورٹ کی کہ میں پچھلے سال کا
برہانپور کا جزیہ (چھبیس ہزار روپیہ) وصول کر چکا ہوں اور اب
التماس ہے کہ کوئی اور شخص اس ناپسندیدہ کام پر مامور بنایا جائے۔*
آگے چلکر یہ فرمان بھی جاری ہوا کہ بغیر خاص اجازت کے کوئی ہندو
پالکی پر یا عربی گھوڑے پر نہ سوار ہو۔ ان خلاف مصلحت احکام کا لازمی

* منقول از خفی خان۔

نتیجہ یہی تھا کہ سب ہندو اپنے دوستوں یعنی مرہٹوں سے مل جائیں کہ وہ چوتھ تو ضرور لیتے تھے مگر کرا کیل رکھتے تھے اور اپنے محصول میں قوم و مذہب کا امتیاز نہیں کرتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کا منصوبہ یہ تھا کہ پہلے تو بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنتوں کو غارت کر کے مرہٹوں کی آمدنی کا ذریعہ بند کر دے کہ یہی سلطنتیں ان قزاقوں کو خراج دیتی تھیں اور پھر ان پہاڑی چوہوں کو اُنکے بلوں میں سے نکال نکال کر تباہ کرے اور یہ تو صاف ظاہر ہے کہ اسکا خیال یہ تھا کہ ان ہی دو سلطنتوں پر حملہ کیا جائے اور ان کی تسخیر کے بعد مرہٹوں سے نمٹ لینا آسان ہوگا۔ اورنگ زیب اپنے آدمیوں کو جانتا نہیں تھا۔

اس منصوبے کے پہلے حصہ کی تکمیل کچھ زیادہ دشوار نہ تھی۔ دکن کی قدیم سلطنتوں کی حالت ایسی نہیں رہ گئی تھی کہ اورنگ زیب کی فوج عظیم کا مقابلہ کر سکیں۔ اگر اورنگ زیب کے سپہ سالار اس قدر خود غرض اور کاہل نہ ہوتے تو کبھی کی تسخیر بھی ہو چکی ہوتیں۔ واقعی بات یہ ہے کہ بقول برنیر*

* جب ۱۶۶۶ء میں برنیر گولکنڈہ ہی میں تھا۔ اسنے دکن کی سلطنتوں کی پولیٹکل

کے یہ سپہ سالار جو شاہی نگرانی سے دور دراز مقامات پر بڑی بڑی

د جون کے سردار ہوکر قریب قریب بادشاہی عروج پر پہونچ جاتے

تھے تو اسقدر شان اور امارت کی لینے لگتے تھے کہ اپنی جگہ پر قائم

رہنے کا خیال اُنکے واسطے کافی ہوتا تھا اور اس بات کی بہت

کوشش کرتے تھے کہ غنیم کو عاجز کر دین - یہ لوگ ہر کام بہت

سستی کے ساتھ کرتے ہین اور لڑائی کے طول کھینچنے کی واسطے بہانے

ڈھونڈھتے رہتے ہین - کیونکہ یہی ذریعہ انکی آمدنی اور عزت کا ہے -

اب یہانتک نوبت آگئی ہے کہ یہ ضرب المثل زبان زد خلائق ہے

"دکن ہی سے ہندوستان کے سپاہیونکی روٹی چلتی ہے" -

دونون سلطنتون مین گولکنڈہ زیادہ کمزور تھا - وہ ہمیشہ یہ

ترکیب کرتا تھا کہ مغلی حاکمون کا زور کم کردینے کے واسطے اپنے پڑوسی

بیجاپور کو ساتھ کردیتا تھا - خفیہ خفیہ اپنے پڑوسی کو روپیہ بھی پہونچاتا

تھا کہ مغلون سے مقابلہ کی تاب لاسکے اور بالا بالا بادشاہی افسرونکو

[illegible] والات اور اُنکے مغلون کے ساتھ کے تعلقات کا ذکر بہت خوبی کے ساتھ [illegible]

کے صفحہ ... اور ... مین لکھا ہے -

رشوت بھی دیتا تھا تاکہ بیجاپور ہی پر حملہ کرین اور اُسکی طرف متوجہ
نہون۔ مگر باوجود ان چالاکیون کے ۱۶۵۶ء ہی مین گولکنڈہ
اورنگ زیب کے حضور مین نذرانے نیاز تہ کرچکا تھا اوس زمانہ
سے جو یہ چوتھائی صدی کا عرصہ گزرا تھا اسمین اُسکی حالت اور بھی
خوار ہوگئی تھی۔ سچ پوچھیے تو وہ بھی مغلیہ سلطنت کا ایک صوبہ ہوچکا
تھا۔ وہان کا والی شاہ ابوالحسن اپنی اُس ابتدائی عاجزی کے
بعد پھر کبھی پنپنے نہ پایا۔ وہ باجگزار رئیس کے طور پر رہ گیا تھا اور
اپنی سلطنت کی حکمرانی سے بھی کچھ واسطہ نہ رکھتا تھا۔ نہ کبھی دربار
کرتا نہ کسی کی فریاد سنتا نہ داد دیتا۔ سنہ ۱۶۶۶ء مین تو وہ بالکل ہی اپنے
گولکنڈہ مین بند ہو بیٹھا اور عیاشی مین پڑ گیا۔ اسی زمانہ مین اُسکے
دار الحکومت یعنی حیدرآباد مین بدعملی اور بدانتظامی پھیلی۔ چونکہ
بادشاہ کا خوف و لحاظ مطلق نہین رہگیا تھا اسلیے اُمرا رعایا پر جو
جی چاہتا ظلم کرتے تھے۔ اور نیچے طبقہ والے اورنگ زیب کی انصاف
حکومت کو اسپر کہین زیادہ ترجیح دیتے تھے کہ اُنکو بہت سے مالکون
کے ظلم سہنے پڑتے تھے۔ سچ پوچھیے تو مغلون کی حکومت حیدرآباد مین

اسی تاریخ سے قائم ہو چکی تھی جب سنہ ۱۶۵۶ء والا عہد نامہ ہوا- کیونکہ اورنگ زیب کا رزیڈنٹ جو وہاں رہتا تھا وہ برابر احکام جاری کرتا تھا راہداری کے پروانے دیتا تھا رعایا کو دھمکاتا تھاستاتا تھا- مختصر یہ کہ بلا روک ٹوک کے پورے طور سے شاہانہ اختیارات کو کام میں لاتا تھا"- میر جملہ کا بیٹا محمد امین خان موسلی پٹن کے خاص بندرگاہ میں عملی طور سے شاہی اختیارات نافذ کر رہا تھا اور مغلوں ڈچ اور پرتگالیوں کو دعوی کرتے دیر نہیں ہوتی تھی کہ اس بات کی تصدیق ہو جاتی تھی کہ "جو مانگے سو پائے"-

جو آپ ہی مر رہا ہو اسکو کیا مارنا- اس خیال سے اس گری ہوئی سلطنت کو اور زیادہ زیر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی- گرچہ بدعملی وہاں پھیل رہی تھی اُسکے لحاظ سے ضروری تھا کہ جبر سے کام لیکر اسکی اصلاح کیجائے- جب اورنگ زیب نے یہ سُنا کہ وہ ہندو حیدرآباد میں بہت قابو یافتہ ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کے درپے آزار ہو رہے ہیں تو اُسنے سمجھا کہ یہی وقت دخل دینے کا ہے- اسکی سرحد پر ایسی غیر منتظم سلطنت کا واقع ہونا بہت برا تھا- اور پھر

یہ منتخب کردہ سلطنت باجگزار ہوا اور پھر تمین ایمان والے اپنی ایمانداری کے باعث آزار پائین۔ چنانچہ سنہ ۱۶۷۰ء مین شہزادہ معظم خان جہان بہادر کوکلتاش کی معیت مین گولکنڈہ کی سرکار کی اصلاح کی غرض سے روانہ کیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہزادہ اور سپہ سالار بھی اُسی مرض کاہلی مین مبتلا ہو گئے جو دکن کے مغل حکمرانون کے واسطے عام ہو رہا تھا۔ معظم بہت مطیع اور سعادتمند بیٹا تھا اور اسکی اطاعت ہی سے اُسکے خلاف اکثر یہ شبہہ ہوتا تھا کہ اسکا رنگ منافقانہ ہے۔ اُسکے باپ نے اسکی طرف سے اُن حوصلہ مندیون کے شبہہ اپنے دل مین بھر رکھے تھے جو اُس بیچارے کے وہم وگمان مین بھی نہ تھے۔ اور بہت کم شہزادے ایسے ہونگے جنکی طرف سے ایسی شرارت کے خیالات پیدا ہوے ہون جیسے اس بیچارے کی نیکیون نے اسکے واسطے فراہم کر دیے تھے۔ اورنگ زیب کو یہ بات بھولی نہین تھی کہ جب وہ نوجوانی کے زمانہ مین بہت سعادتمند معلوم ہوتا تھا تب ہی سے اُسکے دل مین بڑے بڑے حوصلے جوش زن تھے اور اُسکے دوسرے بیٹے شہزادہ اعظم نے بھی تھوڑے ہی عرصہ مین اسکی نظیر

دکھلائی دی تھی کہ شہزادہ معظم کا کیا حشر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ وہ
استقدر نیک تھا کہ وفاداری اس سے بعید تھی۔ وہ بہت منصف مزاج
اور رحمدل تھا اور اسکو بیرحمی کے ساتھ لڑنے کے واسطے بھیجنا فضول
تھا۔ بجائے اسکے کہ وہ حیدرآباد اور گولکنڈہ پر اس مستعدی کے
ساتھ حملہ کرتا جسکی اسکے باپ کو امید تھی اسنے برخلاف لڑائی سے بچنے کی کوشش
کی اور پھر تھوڑے دنوں تک معمولی چھیڑ چھاڑ کرنے کے بعد وہ چار
پانچ مہینے تک بالکل بےحس و حرکت بیٹھا رہا۔ یہ کوئی تعجب کی بات
نہیں کہ اورنگ زیب نے سخت عتاب کیا جو بیقصور شہزادہ کو سخت
ناگوار ہوا۔ مگر آخرکار وہ لڑائی کیطرف مائل ہوا۔ وہ غنیم پر فتحیاب ہوچکا
تھا اور انکے لشکر تک انکا تعاقب بھی کرچکا تھا۔ مگر اس موقع پر بھی
اسنے لڑائی بند کرکے یہ اجازت دیدی کہ وہ لوگ اپنی عورتوں کو بحفاظت
وہاں سے نکال لیجائیں۔ اور اسکا صلہ اسکو یہ ملا کہ پھر وہی لوگ
اس سے لڑنے پر آمادہ ہوگئے۔ تب اسنے یہ کمزور تجویز پیش کی کہ دونوں
طرف کے دو دو تین تین بہادر لڑیں اور دہلی اور گولکنڈہ کے رستم و
اسفندیار کے لڑنے سے فیصلہ ہوجائے۔ مگر غنیمت ہے ایسا ہوا نہیں

اور آخر کار شہزادہ اُس حیدر آباد کے قریب پہونچ گیا جہاں چھٹنے
سے پہلے اُسکو پہونچ جانا چاہیے تھا۔

اُسکے اسقدر سُستی کے ساتھ بڑھنے پر شہر میں بہت ہراس اور
ابتری پیدا ہوگئی ہندوون نے مسلمانون پر اپنے ملک والونکو دغا
دینے کا الزام لگایا اور مسلمان سپہ سالار مغلون کی طرف جاملا۔
بادشاہ گولکنڈہ کے قلعہ میں بھاگ گیا اور شہر دونون فریق کے
بلوائیون کے واسطے چھوڑ دیا گیا کہ اُنھون نے خوب جی بھر کر لوٹ
مار کی اور عورتون کو خراب کیا۔ گولکنڈہ پہونچنے کے واسطے بھاگ گئے
ہزارون بھلے آدمی جو اپنے مال و متاع کو نہ بچا سکتے تھے اور جنکو
سواریان نہیں ملتی تھیں اپنے بیوی بچون کے ہاتھ پکڑکر اُٹھ کھڑے
ہوے اور جسطرح بے نقاب اور آدھے کپڑے پہنے ہوے چلتے بنا اُسیطرح
قلعہ میں جاکر پناہ گیر ہوے۔

دو قبل طلوع آفتاب شاہی فوجون نے شہر پر حملہ کیا وہ بڑی لوٹ
مار اور تباہی کا مرقع تھا۔ ہر جگہ ہر سڑک پر ہر بازار میں لاکھون روپیہ
اور کپڑون کے تھان اور قالین اور گھوڑے اور ہاتھی بجائے حسن

ت کے سرداروں کی ملک سے بھرے پڑے تھے۔ خدا جانے کتنے
دن و بچے ہندووں اور مسلمانوں کے قیدی بنا لیے گئے اور کتنی عورتیں
عالی و ادنیٰ درجہ کی بےعزت ہو گئیں۔ بڑے بڑے قیمتی قالین جو [illegible]
ونی تھے خنجروں اور تلواروں سے کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے
کر دیے گئے اور ہر ہر ٹکڑے پر خوب لڑائی ہوئی۔ شہزادے
نے لوٹ بند کرنے کے واسطے افسر مقرر کیے اور انھوں نے کوشش
بھی بہتیری کی مگر سب بے سود ہوئی۔*

ان سب ظلموں کے بعد شہزادہ معظم نے جو اب شاہ عالم بخطاب
سے سرفراز ہو چکا تھا اس شرط پر صلح کر لی (۱۶۸۷ء) کہ شاہ دکن
[illegible] لاکھ روپیہ ہر سال ادا کرے اور کچھ اضلاع نذر کرے اور دونوں
ہندو وزیروں کو قید کر دے۔ (یہ ہندو وزیر اسی عرصہ میں مسلمان امراء کے
غلاموں کے ہاتھوں قتل بھی ہو چکے تھے) اورنگ زیب نے جب اپنے
عزیز بیٹے نے اپنی فتح کے ثمرات سنے ہوں [illegible] تو بہت [illegible]
ہوئے ہوں گے۔ مگر بظاہر اس نے شرائط صلح کی نسبت پسندیدگی ظاہر کی اور

* منقول از خافی خان۔

خفیہ طور پر شاہ عالم کو بھی سمجھا دیا کہ میں تمہاری اس حرکت سے بہت
ناخوش ہوا ہوں۔ غرض یہ کہ شہزادہ دہلی بلا لیا گیا۔
مگر شاہ اورنگ زیب گولکنڈہ کو اسطرح کچھ عرصہ کے لیے اپنے
حال پر چھوڑ دینے کا ملال نہیں ہوا کیونکہ اب وہ بیجاپور پر حملہ
کرنے کی فکر میں مصروف تھا۔ یہ سلطنت اگرچہ بڑی تھی اور اس قدر
آسانی سے تسخیر ہو جانیوالی نہ تھی کیونکہ اسمیں پہاڑی درے اور قلعجات
بھی تھے اور رسد اور پانی کمیاب تھا تاہم یہ بھی مقابلہ کے واسطے قریب
قریب ویسی ہی کمزور تھی جیسی کہ اسکے پڑوس کی سلطنت تھی۔ اس کے
بیرونجات کے شہر تو مغلوں نے تسخیر کر ہی لیے تھے مگر جیسے مغربی ضلع
وہ مرہٹوں کے قبضے میں تھے وہ سچ پوچھیے تو انھیں کی بدولت یہ سلطنت ابتک
شاہی حملوں سے زیر ہو جانے سے بچ رہی تھی۔ اب سیواجی کے مر جانے
سے یہ ذریعہ حفاظت کا مفقود ہو گیا اور شاہزادہ اعظم اس مہم پر مامور
کیا گیا جو عرصے سے معرض التوا میں تھی۔ بیجاپور والوں نے معمولی چالاکیوں
سے کام لیا۔ دارالحکومت کے قرب و جوار کا سارا ملک ویران کر دیا
[illegible] فوج میں نا [illegible] سے [illegible] رہ گئی۔ جب نیچے سے آکر یہ لوگ

اصلی سے توڑنے کو آگے بڑھنا مشکل کر دیا اور ایسی مستعدی دکھلائی
جو بالکل سیواجی کے طرز کے مطابق تھی لیکن اگست ۱۶۸۵ء میں
اورنگ زیب بذات خاص اس معرکہ میں شریک ہوا۔ اسکی پنجہ کرنیوالی
فوجوں کے سامنے پیش کی۔ سرنگ بہت دل لگا کر کھودی گئی۔ مورچے
ترتیب کر دیئے گئے۔ آخرکار سال بھر سے کچھ زیادہ کی محنت میں محصور
لوگ بھوکوں مرنے لگے اور نومبر ۱۶۸۶ء میں بیجاپور کی کنجیاں بادشاہ
کے حوالہ کر دی گئیں۔ عادل شاہیوں کے پرانے دار الحکومت میں
جہاں بڑے بڑے عالیشان محل کھڑے ہوئے تھے اُلّو بولنے لگے اور
گیدڑ رہنے لگے۔ اب تک اُسکے کھنڈر شہر خموشان کا عالم دکھلاتے
ہیں۔ اسکی خوشنما مسجدوں کی مناریں اب تک پتھر کی دیواروں سے
بلند نظر آتی ہیں اور اب بھی ایسی شاندار ہیں کہ یکایک دیکھنے والے کو خیال
نہیں آتا کہ جو شہر میں دیکھ رہا ہوں وہ زندہ شہر نہیں ہے۔ مگر غور کر کے
دیکھیے تو بالکل ویران شہر ہی ویرانہ ہے۔ بیجاپور جسنے اپنی دولت اور شان
سے بہت سے سیاحوں کو حیرت میں ڈالا تھا اس متعصب بادشاہ کے
پاؤں کے نیچے ایسا پامال ہوا کہ اس زوال کے بعد پھر کبھی اُسکو

عروج نہونے پایا۔

گولکنڈہ پر بھی اپنی حفاظت کرنیوالی پڑوسی سلطنت کے
زوال کا اثر بہت جلد پڑا۔ باوجود اسکے کہ ۱۶۸۵ء میں عہدنامہ
ہو چکا تھا اورنگ زیب نے ٹھان لی کہ قطب شاہی خاندان کو
جڑ بنیاد سے مٹا دینا ہی مناسب ہے۔ بہانہ یہ ہاتھ آیا کہ شاہ
گولکنڈہ خراج مشروط کے ادا کرنے سے قاصر رہا تھا سوا
اسکے کہ اسکی شکایت صاف صاف طور پر کیجاتی اورنگ زیب
نے ایسی مکاری سے کام لیا جو علاوہ اُسکے خلاف شان ہونے
کے بالکل غیر ضروری تھی۔ وہ خانقاہ مبارک کی زیارت کے بہانہ
سے گلبرگہ آیا کہ یہ مقام گولکنڈہ سے آدھے راستہ پر واقع ہے۔ اسی
زمانہ میں حیدرآباد میں اپنے گماشتہ کو ہدایت کردی کہ شاہ گولکنڈہ
سے خراج بجبر وصول کرلو۔ ابوالحسن کو جسقدر جواہرات مل سکے وہ
اُس نے کشتیوں میں لگا کر مغل سفیر کے پاس بطور ضمانت بھیدیئے۔ تب
خبر آئی کہ بادشاہ گلبرگہ سے روانہ ہو چکا اور دارالحکومت کو آرہا ہے۔
یہ تو ظاہر ہی تھا کہ اسکی نیت فاسد ہے۔ شاہ دکن کو قدرتی طور پر

اس دغابازی پر غصہ آیا اور اُسنے اپنے جواہرات واپس مانگے
او مغلی رزیڈنٹ کو قید کر لیا۔ مگر جب اُسے سمجھایا کہ اورنگ زیب
کے تمام متعام کو ستانے کا انتقام بیڑا سب لیا جائیگا اور یہ بھی وعدہ
کیا کہ مین اپنے آقا سے تمھاری سفارش کرونگا تو ابو الحسن نے
اُسکو پھر آزاد کر دیا۔

مغلیہ فوج اُسکے دروازے پر پہونچ گئی اور مظلوم بادشاہ نے
سمجھ لیا کہ اب میرا آخری وقت ہے۔ اُسنے اطاعت کے پیام
اورنگ زیب کی خدمت مین بھیجے اور ہر طرح سے خوشامد اور عاجزی کی مگر کچھ
کام نہ نکلا۔ اورنگ زیب نے بالکل صاف جواب دیدیا کہ :۔

"اس خبیث شخص کی بدکرداریان حد تحریر سے باہر ہین مگر کیے
از صدہا واقعات کے اکثر لکھی جاتی ہے کہ اُس سے کسی قدر اندازہ
اُسکی خباثت کا ہو سکتا ہے۔ اُسنے زمام سلطنت ظالم کافرون کے
ہاتھ مین دے رکھی ہے۔ اسلام کے بانیان معتقدون پر ظلم روا رکھا
ہے اور خود کھلے خزانے عیش و عشرت اور بدکاری مین مصروف
ہے۔ رات دن شرابخواری اور شہوت پرستی کے سوائے کوئی

کلام نہیں کہ کفر و اسلام ظلم و عدل انحراف و اطاعت میں اُسنے
کبھی امتیاز نہیں رکھا ہے۔ وہ کافروں کی طرف سے لڑا ہے اور
احکام خدا کی خلاف ورزی کی ہے کہ احکام مذکور میں دشمنان
اسلام کی مدد کرنا ممنوع ہے۔ اور اس خلاف ورزی کے باعث
اسنے قرآن مقدس کی توہین خدا اور خدا کے بندوں کی نظروں
کے سامنے کی ہے۔ بارہا اسکو تنبیہ اور صلاح کے خطوط دانشمند
ایلچیوں کے ذریعہ سے بھیجے گئے مگر اسنے مطلق پرواہ نہ کی۔ وہ بھی
حال کی بات ہے کہ اُسنے ایک لاکھ روپیہ اُس نابکار سمبھاجی کو
بھیجا ہے۔ اس گستاخی اور بدکاری اور خباثت کے بعد بھی وہ اپنے
ناکردنی افعال پر نادم نہیں ہے اور اُسکی دنیاوی یا اخروی اصلاح
کی کوئی امید نہیں ہو سکتی ہے۔"

جب بادشاہ گولکنڈہ نے دیکھ لیا کہ اب رحم کی کوئی امید
نہیں تو اُسنے مردانہ وار جان دینے پر کمر باندھ لی۔ وہ عیش و
عشرت کو لات مار کر اٹھ کھڑا ہوا اور فوج کو حکم احکام دینے اور
قلعہ کا محاصرہ کرنے کے واسطے تیار کرنے میں مصروف ہوا۔

جنوری ۱۶۸۷ء میں غنیم نے ایک گولی کے ٹپہ پر اپنے مورچے
بنائے اور لڑائی ٹھن گئی۔ روز بروز اور ہفتہ بہ ہفتہ غازی الدین
فیروز جنگ کے تحت میں فوج آگے بڑھتی جاتی تھی۔ ابوالحسن کے
چالیس پچاس ہزار سوار قلعہ کے باہر تھے وہ انجیروں کا ناک
میں دم کیے ہوئے تھے اور قلعہ والے بھی مورچوں پر ایسے گولے
برساتے تھے اور ہوائیاں چھوڑتے تھے کہ سخت نقصان پہونچتا
تھا۔ غرض مقابلہ بڑی جانبازی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ محصورین
اکثر نکل کر چھاپے مارتے تھے اور سخت نقصان پہونچا جاتے
تھے۔ قلعہ میں سامان حرب اور رسد بہت وافر تھی پھاٹکوں اور
مناروں اور برجوں پر سے دن رات گولہ باری ہوتی تھی۔ کوئی
دن ایسا نہ جاتا تھا کہ مغلیہ فوج کا نقصان نہ ہو۔ آخر کار مورچے
بڑھتے بڑھتے خندق تک پہونچ گئے اور اورنگ زیب نے اپنے ہاتھ
سے پہلا بورہ سیا اور اس میں مٹی بھروا کر خندق میں پھینکوا دیا۔ مٹی
کے دمدمے بنا کر بھاری بھاری توپیں اوپر چڑھائی گئیں تاکہ قلعہ [illegible]
شکستہ ہو جائیں اور راستہ کو [illegible] پر سے چڑھ جانے کا [illegible]

کیا گیا۔ کچھ محاصرہ کرنیوالے فصیل تک پہونچ ہی گئے تھے کہ ایک
کتی بھونک اُٹھی اور کھٹکا ہونے پر قلعہ والون نے چونک کر چڑھنے
والون کا کام تمام کر دیا اور کمندین کاٹ دین۔ کہتے ہین کہ یہ انعام ملا
کہ اُسکے گلے مین سونے کا پٹہ ڈالا گیا۔

اس عرصہ مین مغلیہ فوج کا رسد نہ ملنے سے برا حال ہو چلا
تھا۔ گولکنڈہ کے بہی خواہون نے اور خصوصاً اُس ملک کی
یعنی سیواجی کے مرہٹون نے ملک بالکل ویران کر دیا تھا۔ برسات
ہوئی نہ تھی۔ غلہ اور چارہ بہت کمیاب تھا۔ لشکر مین وبا پھیلی۔
اور بہت سے سپاہی بھوک اور مصیبت سے عاجز آ کر دشمن کی طرف
جا ملے۔ یا تو مینہ برستا نہ تھا یا برسا تو اس شدت سے کہ تین دن
موسلا دھار پانی پڑتا رہا۔ بہت سے مورچے بہ گئے۔ قلعہ والون
نے موقع غنیمت سمجھا۔ باہر نکل کر دھاوا کیا اور بہت سے مغلون کو
تہ تیغ کیا اور بہتیرون کو قیدی بنا لیا۔ یہ سمجھا گیا کہ صلح کا ذکر
چھیڑنے کے واسطے یہ موقع اچھا ہے۔ ابوالحسن نے اپنے قیدیون کو
قلعہ کے غلہ اور نقدی کے انبار دکھلائے اور ہرجانہ جنگ دینے کا

دعوہ کیا۔ ادھر یہ بھی کہا کہ اگر محاصرہ اٹھا لیا جائے تو ہم محاصرہ کرنے والی
فوج کو رسد پہونچائینگے۔ اورنگ زیب کا جواب اسی پیرائے
مستقل ارادہ والے انداز کا تھا کہ "ابوالحسن کو چاہیے کہ دست بستہ
میرے سامنے حاضر ہو ورنہ دست و پابستہ حاضر ہونا پڑیگا۔ جب
وہ حاضر ہوگا تب میں غور کرونگا کہ میں کہاں تک اُسکے حق میں رحم
کر سکتا ہوں"۔ اور یہ جواب دینے کے ساتھ ہی اُسنے خندق کے پاٹنے
کیواسطے پچاس ہزار بورے بہار سے منگوانے کا حکم دیا۔

جون کے مہینہ میں سرنگیں تیار ہوگئیں۔ جھوٹ موٹ ایک
حملہ کیا گیا تاکہ قلعہ والے سرنگ سے بیخبر رہیں اور فلیتہ دکھلا دیا گیا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ اُلٹی مغلوں کی شامت آئی۔ قلعہ والوں نے بڑی
ہوشیاری سے سرنگوں کا انتظام کر لیا تھا۔ ایک سرنگ کی باروت
نکال لی تھی اور باقی سب میں پانی بھر دیا تھا۔ وہی حصہ سرنگ کا
اُڑا جو محاصرین کے قریب تھا اور پتھروں کے چھٹنے سے وہی لوگ
زخمی ہوئے اور دبے۔ اور ابھی اس صدمہ سے دم بھی نہ لینے پائے
تھے کہ قلعہ والے مورچوں پر ٹوٹ پڑے اور جو لوگ وہاں ملے انکو

قتل کر ڈالا - فوج مین بہت شور و واویلا مچا - اور جیسے جیسے
محاصرین کی ہمت گھٹتی گئی قلعہ پر سے اور بھی شدت کے ساتھ
گولہ باری ہوتی گئی - اورنگ زیب کو قلعہ والونکے اس سختی کے
ساتھ مقابلہ کرنے پر بہت غصہ آیا اور آسنے اپنی آنکھون کے سامنے
حملہ کا حکم دیا -

وہ ہمت کے جوہر دکھلائے گئے - مگر مینھ برسنے لگا اور آندھی
آگئی اور حملہ کرنیوالے آگے بڑھنے سے قاصر رہے - اور مجبوراً
بھگتے ہوسے واپس آئے - قلعہ والون نے پھر دھاوا کیا - مورچے
لے لیے - بھاری بھاری توپون کے منھ بند کر دیے اور جو لیجا
سکے وہ سب اُٹھا لیگئے - خندق مین سے بڑے بڑے لکڑی
کے گٹھے اور ہزارہا [illegible] نکال لے گئے اور سرنگون سے جو
شگاف پیدا ہو گئے تھے انکی مرمت کے کام مین لائے [illegible]

جہان ہمت اور استقلال نے کچھ کام نہ دیا وہان نمک حرامی کام
کرگئی - گولکنڈہ کے بچانے والون کے مقابلہ مین سرگین اور حملے

* منقول از خفی خان -

سب بیکار ثابت ہو چکے تھے۔ آخر کار روپیہ اور وعدوں نے میدان
جیت لیا۔ گولکنڈہ کے بہت سے سردار وقتاً فوقتاً غنیم سے جا ملے
تھے اور آخر کار صرف دو سردار عبد الرزاق اور عبد اللہ خان اپنے
بادشاہ کے ساتھ وفاداری کرنے کو باقی رہ گئے تھے۔ دونوں کے
واسطے اورنگ زیب کی طرف سے بہت بہت روپیہ کے پیام
آتے تھے۔ عبد الرزاق نے جسکو اُسکے دوست مورخ نے "سنگدل
دشادابہ" کے لقب سے یاد کیا ہے "اپنی جان اور فائدہ کے متعلق
پرواہ نہ کی" اور بادشاہ کا شقہ اپنے مجمع والے سپاہیوں کو دکھلا کر
اُن ہی کے سامنے پرزے پرزے کر ڈالا۔ اور جو جاسوس شقہ لایا
تھا اُس سے کہدیا کہ جا کر میری طرف سے یہ جواب دیدے کہ جبتک
دم میں دم ہے لڑے جاؤنگا اور آخر اُن لوگوں کی طرح شہید ہو جاؤنگا
جنھوں نے کربلا میں امام حسینؑ کا ساتھ دیا تھا۔ مگر اُسکا ساتھی
عبد اللہ خان رشوت کی طمع میں آگیا۔ قلعہ کی طرف کا ایک پھاٹک
اسکے تحت میں تھا۔ اسنے غنیم کو داخل کر لیا۔ مغل قلعہ میں گھس پڑے
اور نعرہ فتح بلند کیا۔ عبد الرزاق نے یہ نعرہ سنا اور گھوڑے پر

ننگی پیٹھ سوار ہو کر درجن بھر ہمراہیوں کے ساتھ اُس پھاٹک کی طرف
سرپٹ اُترا جس میں سے دشمن داخل ہو رہے تھے۔ اکیلا اُن لوگوں
کے بیچ میں کود پڑا اور چلا کر کہا کہ میں ابو الحسن کے واسطے اپنی جان
دیدونگا۔ وہ خون میں سرشار اپنے چار جامہ پر ڈگمگاتا ہوا اُدھر سے
نکل گیا اور دوسرے دن ایک ناریل کے درخت کے نیچے ستر زخم
کھائے ہوئے بیہوش پڑا ہوا ملا۔

اس عرصہ میں شاہ گولکنڈہ نے بھی نعرے اور چیخ کی آوازیں
سُن لی تھیں اور سمجھ گیا تھا کہ بس اب میرا وقت آگیا۔ وہ حرم سرا
میں گیا اور مستورات کو سمجھایا اور اپنے قصور کو معاف کرا کے اُن سے
رخصت ہوا اور دربار کے کمرے میں آکر اپنے ناخواندہ مہمانوں کے
انتظار میں بیٹھ گیا۔ اُس نے ایسی معمولی بات کے واسطے کہ مغلوں کو فتح
ہوئی تھی اپنے کھانے کا وقت ناغہ نہیں ہونے دیا۔ جب اورنگ زیب
کے افسر سامنے آئے تو اُس نے شاہانہ انداز سے اُنکو سلام کیا اور انتہا
کے ساتھ پیش آیا اور بہت فصیح فارسی زبان میں گفتگو کرتا رہا۔
پھر اُس نے اپنا گھوڑا منگوایا اور سوار ہو کر شہزادہ اعظم کے پاس آیا

اُسنے اُسے اورنگ زیب کے حضور مین پیش کیا۔ مغل اعظم [illegible]
اور تغلق دونون کو سنبھالے ہوئے اسطرح ملا جیسے بادشاہ بادشاہون
سے ملتے ہین کیونکہ جو کچھ خشرت پہرتی اُسنے زمانۂ گذشتہ مین
کی تھی اُسکی تلافی اس حمایت گولکنڈہ کی کوشش سے ہو گئی تھی
پھر وہ دولت آباد کے قلعہ مین قید ہوا کہ وہین والی بیجاپور پہلے
سے موجود تھا۔ اسکے بعد ان دونون کے خاندانون کا نام تاریخ
کے صفحون سے مفقود ہے۔ اورنگ زیب کو گولکنڈہ کی شاہی
املاک سے تقریباً سات کرور روپیہ وصول ہوے۔

اس محاصرہ کا نامور جوانمرد عبدالرزاق تھا۔ اورنگ زیب کہتا
تھا کہ اگر ابوالحسن کے پاس ایک بھی ایسا جان نثار ملازم اور ہوتا
تو محاصرہ بہت عرصہ تک جاری رہتا۔ اُسنے ایک یوروپین اور
ایک ہندو جراح اس زخمی کے علاج کے واسطے بھیجے اور سولہ
دن کے بعد یہ سنکر بہت خوش ہوا کہ اُسنے آنکھین کھول دی ہین۔
اُسنے اس جوانمرد کے لڑکون کو عنایات خسروانہ سے مالا مال کردیا
مگر اپ کی وفاداری کو کوئی تدبیر جنبش نہ دے سکی۔ وہ اپنے

بستر علالت پر پڑا ہوا بڑ بڑی کہتا تھا کہ جسنے ابوالحسن کا نمک کھایا
ہے وہ کبھی اورنگ زیب کی خدمت نہین قبول کرسکتا۔" مغلیہ دربار
مین عام طور سے خود غرضی کا زور تھا۔ وہان ایسی وفاداری کا ہی کم
دیکھنے مین آتی تھی۔ اور سب سے زیادہ اورنگ زیب کے دل مین
اسکی عظمت تھی کہ اُسنے خود بھی کبھی اپنے فرض منصبی کے ساتھ
بیوفائی نہ کی تھی۔

بارھوان باب

زوالِ اورنگ زیب

گولکنڈہ اور بیجاپور فتح کرکے اورنگ زیب اپنے تئین سارے
دکن کا مالک سمجھنے لگا۔ مگر یہی دو طاقتین تھین جو اس جزیرہ نما مین
ایک طرح کا انتظام قائم کیے ہوے تھین۔ انکے برباد ہو جانے کا نتیجہ
یہ ہوا کہ مرہٹے اور زور پکڑ گئے۔ اِن دونون سلطنتون کا دباؤ ان لٹیرون پر
کمزور اور برائے نام ہی سہی مگر کچھ تو ضرور دبے رہتے تھے۔ اب اس
دباؤ کا اُٹھنا اور دونون سرکارون کے نظام سلطنت کا بگڑنا تھا کہ
سارے مین بدعملی پھیل گئی۔ مغلوب فوجون کے بیشتر سپاہی قدرتی
طور پر مرہٹون سے جا ملے اور غارتگری کا پیشہ کرنے لگے۔ مقامی
اہلکار چھوٹے چھوٹے بادشاہ بن بیٹھے اور مرہٹون کو مدد دینے لگے
کیونکہ ان ہی کی بدولت لوٹ مار کا بازار گرم ہوتا نظر آتا تھا۔
اسطرح ان دو تباہ کی ہوئی سلطنتون کی آبادی سے سپاہی اور

اُسکے پہاڑیوں کا گروہ بے انتہا بڑھ گیا اور دکن کے معاملات کی
اس بدنظمی کے دردناک نتائج ایک صدی سے اوپر ہی اوپر ظاہر
ہوتے رہے۔ جس بدعملی نے دکن کو ویران کیا وہی اُس اندھیر
کا پیش خیمہ تھی جو مرہٹوں نے دلّی میں شاہ عالم اور ولزلی کے
وقت میں مچا رکھا تھا۔

ان فتوحات کے خراب نتائج فوراً ظاہر نہیں ہوئے۔ اورنگ زیب
کی فوجوں نے جو سامنے آیا اسکو تسخیر کر لیا۔ اور سلطنتہائے مفتوحہ
کی پوری عملداری یہاں تک کہ جنوب کی شاہ جی والی قدیم جاگیر
میسور پر بہت جلدی سے قبضہ ہو گیا۔ سیواجی کا بھائی تنجور میں
گھرا پڑا رہا اور مرہٹے ہر طرف اپنے پہاڑی قلعوں کو بھگا دیے
گئے۔ ان فتوحات کی سرتاج یہ کامیابی ہوئی کہ کچھ منچلے مغلوں نے
سنبھا جی کو ایسے وقت میں کہ وہ بیخبری کے ساتھ عیش و عشرت میں
مصروف تھا گرفتار کر لیا جب اورنگ زیب کے سامنے حاضر کیا گیا تو
اس حقیر وحشی نے ایسی زبان درازی اور کفر گوئی کے جوہر دکھلائے
کہ غیر معمولی بیرحمی کے ساتھ قتل کر ڈالا گیا (۱۶۸۹ء) اسکا بھائی

راجہ رام کرناٹک میں جنجی کو بھاگ گیا اور مغلوں نے حصار تمام سے سلامت
دور دراز فاصلہ پر چلا گیا۔ اس وقت تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ اب
مرہٹوں کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ لٹیروں پر کچھ عرصہ کے واسطے
مغل اعظم کی فوج کی کثیر تعداد اور بے پناہ طاقت کا رعب چھا گیا۔
اگر ایسے دشمن سے شرائط کرلینی ممکن ہوتیں یا کسی حد تک اُن کی
پابندی کی امید ہوتی تو اورنگ زیب کے واسطے یہی مناسب ہوتا
کہ وہ کسی طرح کا خراج قبول کرا کے اس لڑائی کو پورے طور سے
سر کر کے دہلی کو مراجعت کر جاتا۔

مگر بادشاہ اس مزاج کا آدمی نہ تھا کہ کسی کام کو شروع کر کے پھر
پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھتا۔ اُسے نہ صرف دکن پر بلکہ سارے جزیرہ نما
پر جنگی قبضہ حاصل کر لیا تھا اور صرف انتہائے جنوبی مقام ترچناپلی اور
پرتگالیوں اور دیگر اقوام غیر کے کنارہ والے مقبوضات باقی رہ گئے
تھے۔ مگر جنگی قبضہ کافی نہ تھا۔ اورنگ زیب چاہتا تھا کہ جنوبی
صوبجات کو اپنی مستقل سلطنت کا جزو بنا لے اور بالکل اسطور سے
تسلط جمالے جیسے بنگالہ یا پنجاب میں ہو رہا تھا۔ اُن کا ارادہ [illegible]

کرنے مین چاہیے وہ وزارت مین کتنی ہی بیٹی کیون نہو اپنی جان
خطرہ مین ڈالین گے۔ مغلون کا یہ حال تھا کہ تین چار پشتون کی
بہار کی زندگی نے اُنکی [illegible] جوانمردی کو بالکل خاک مین ملا دیا تھا
انکو تو پیسے افسرون کی فوج رکھتے ہوئے شرم آتی جیسے کہ
اورنگ زیب کے پاس بڑے بڑے پروردے شاندار لشکر مین جمع تھے۔
بجائے جفاکش شمشیر زن ہونے کے یہ لوگ رنگیلے چھبیلے بنے ہوئے
تھے۔ اپنے بھاری زرہ بکتر کی بوجھ سے دبے جاتے تھے اور
بجائے سیدھا سادہ سپاہیانہ رنگ رکھنے کے مخملی چارجامون پر سوار
ہوتے تھے اور گھوڑون کی گردنون مین گھنٹیان لٹکاتے تھے اور
زیور پہناتے تھے۔ بجائے اسکے کہ یہ معلوم ہو کہ لڑائی پر جاتے ہین یہ
معلوم ہوتا تھا کہ جلوس مین نکلے ہین۔ لشکر مین وہی چہل پہل اور
سامان عشرت ہوتے تھے کہ گویا اپنے ساتھ دہلی کے محل [illegible]
مین غضب خدا کا معمولی سپاہی بھی اگر اپنے خیمہ کو ایسا آراستہ
نہین پاتے تھے جیسے کہ آگرہ کے مکانات تھے تو ناک بھون سکیڑنے
لگتے تھے۔ ان ہی کی ضروریات کی وجہ سے لشکر کے ساتھ شہر [illegible]

ایک جم غفیر ہوتا تھا اور فوج کی تعداد دو سے تین گنی تعداد ان
لشکریوں کی ہوتی تھی۔ ایک چشم دید گواہ نے [illegible] میں بادشاہ
کے گلگار کے لشکر کا حال لکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ جہاں شاہی بازار لشکر تھا
تین میل کے محیط میں تو محض شاہی خیمے ایستادہ تھے اور انکے چاروں
طرف خندقیں کھدی ہوئی تھیں اور باڑے بندھے ہوئے تھے۔
وہ لکھتا ہے کہ یوں کہا جاتا ہے کہ اس لشکر کی فوج کی تعداد ساٹھ
ہزار سوار اور ایک لاکھ پیدل تھے اور انکے سامان کیلئے پچاس ہزار
اونٹ اور تین ہزار ہاتھی ہیں اور سائیسوں اور سوداگروں اور
کاریگروں کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ یوں سمجھئے کہ لشکر کا ہے کو تھا اچھا
خاصا پچاس لاکھ مردم شماری کا متحرک شہر تھا جس میں صرف کھانے
پینے ہی کی چیزیں نہیں ملتی تھیں بلکہ دنیا کی ہمہ قسمت موجود تھی۔
ڈھائی سو بازار تھے۔ ہر امیر اپنے سالار کے آدمیوں کے واسطے
ایک ایک بازار الگ لگا ہوا تھا۔ مختصر یہ کہ سارا لشکر تین میل کے
محیط میں آباد تھا۔"

منقول از [illegible]

سب لوٹ لو مغلوں کے پاس تعداد زیادہ تھی - وزن زیادہ تھا -
جب میدان میں جم کر لڑائی ہوتی تھی تو ہمیشہ فتح ان ہی کی ہوتی
تھی - اور محاصرے ہوشیاری سے جاری رہتے تھے تو ضرور قلعہ تسخیر
ہو جاتا تھا - مگر قلعوں کی بھی تو کوئی گنتی نہیں تھی - اور پھر ایک ایک قلعہ
کئی کئی مہینہ کی محنت میں کہیں جا کر زیر ہوتا تھا - اسکے علاوہ دکھن
کی آب و ہوا میں یہ بڑی خرابی ہے کہ متواتر کئی مہینہ تک محاصرہ
کا کام جاری رکھیں تو بڑی بڑی سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں - بہت سی
منزلیں اسطرح طے کرنی پڑتی ہیں کہ سخت بارش ہو رہی ہے اور
جہان پناہ آگے آگے بخندہ پیشانی سوار ہیں اور انکے پیچھے بہت سے
سردار کیچڑ میں لتھڑتے چلے جاتے ہیں - صرف ایک لڑائی کے واسطے
چار ہزار میل کا فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا اور ہاتھیوں گھوڑوں اور
اونٹوں کا بہت نقصان ہوتا تھا - نازک مزاج سپاہی ان سختیوں
سے جی چراتے تھے - برابر مصری گوشت کے پیالوں کی فرمایش
ہوتی تھی اور اسکا رونا تھا کہ خیموں میں پورا آرام نہیں ملتا اور بیچوں
کی چھاؤنی کے سے پکانے کے برتن نہیں ملتے -

برخلاف اسکے مرہٹوں کو سامان و آسایش کی مطلق پرواہ نہ تھی۔
انکی عادت تھی کہ کڑی محنت کرتے تھے اور رکڑا کھانا کھاتے تھے جوار
کی ایک روٹی ایک وقت کے کھانے کو کافی تھی بہت کیا تو ایک گانٹھ
پیاز کی بھی لے لی۔ وہ سہی سے ایک قلعہ کو آخر وقت تک سنبھالے
تھے پھر دوسرا قلعہ سنبھالنے لگتے تھے۔ وہ یہاں سے وہاں گھیرے
جاتے تھے اور وہاں سے یہاں مگر ہمت نہ ہارتے تھے۔ محاصرین
پر چھاپے پڑ جاتے تھے انمیں مغلوں کی فوج کو تباہ کرتے تھے۔ کبھی
رسد کے قافلے روک دیتے تھے کبھی دشمن کا راستہ بالکل ویران
کر دیتے تھے۔ ان سے فیصلہ کرنیوالی لڑائی بھلا کیا ہو سکتی تھی یوں
سمجھیے کہ چھوٹی چھوٹی فتوحات کا ایک سلسلہ تھا کہ چلا جاتا تھا اور
ساتھ ہی ساتھ بڑے بڑے نقصان بھی ہوتے جاتے تھے

یہ جنگ ستائیس برس تک جاری رہی یعنی تسخیر گولکنڈہ
سے وفات اورنگ زیب تک برابر یہی ہوتا رہا۔ اسکے واقعات کا
لکھنا گویا پہاڑی محاصروں اور حملوں کی ایک فہرست مرتب کرنا ہوگا
جسمیں محنت شاقہ برداشت کیجاتی تھی اسکے لحاظ سے کچھ بھی نفع نہوتا تھا

مغل فوج کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی تھی۔ اور ہر طرح سے ضعف
پیدا ہوتا جاتا تھا۔ ملک میں عرصہ تک لڑائی رہنے اور غیر قوم کی
عشرت پسند سپاہ کے قیام کرنے سے بہت خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں اور
وہاں کی رعایا ان غیروں کی طرفدار ہوتی جاتی تھی اور انکو اپنے
ساتھیوں میں سمجھنے لگی تھی۔ مسلمان مورخ خافی خان کی تاریخ سے
کچھ عبارت یہاں نقل کیجاتی ہے۔ ہرچند کہ مورخ مذکور نے اپنے
بادشاہ کی فوج کی خرابی کے لکھنے سے احتراز کیا ہے تاہم اس عبارت
سے مرہٹوں کی لڑائی کی حالت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ اس
زمانہ میں رام راجہ کی بیوہ تارا بائی مرہٹوں کی رانی تھی کیونکہ ساہو جی
کا بیٹا اورنگ زیب کے پاس قید تھا۔ تارا بائی تاریخ کی بڑی عورتوں
میں شمار ہونے کے قابل ہے۔

"اس نے علاوہ بادشاہی ملک کے تاخت و تاراج کرنے کے وہ جیسے
بڑے بڑے بہت سے کام کیے اور دکن کے چھ صوبوں میں سرونج
مندسور اور مالوہ تک مرہٹوں کے دستے فوجیں روانہ کیں۔ اس نے
اپنے افسروں کے دل قابو میں کر لیے۔ اور جو ان سب لڑائیوں اور

دلیرون اور محاصرون سے بچ کر اورنگ زیب کی طرف سے ہو گئے تھے
مرہٹون کی طاقت روز بروز بڑھتی گئی۔ سخت لڑائی کے بعد شاہجہان
کے جمع کیے ہوے بیشمار خزانہ کو صرف کر کے اور ہزارون آدمیون کی
جان قربان کر کے اورنگ زیب اس خراب ملک میں داخل ہوا۔
بڑے بڑے قلعے تسخیر کر کے مرہٹون کو گویا بالکل محروم کر دیا۔
مگر پھر بھی مرہٹون کی ہمت بڑھتی ہی گئی۔ وہ تخت شاہی کی حکمرانی
حدود میں جا پہنچے اور جہان کے لوٹ مار کا بازار گرم کرتے
گئے۔ ۔ ۔ ۔ جہان کہین انکی فوج کے سالار کو کسی بڑے قافلہ کی
خبر لگتی ہے وہ فوراً چھ سات ہزار آدمی لیجاتا ہے اور اسکو لوٹ لیتا
ہے۔ اگر عامل چوتھ نہیں وصول کر سکتا ہے تو سپہ سالار شہر کے شہر
برباد کر دیتا ہے۔ گاؤن کے مکھیا مرہٹون کی اعانت سے شاہی عمال
مالگزاری سے من مانی شرطیں کرا لیتے ہیں۔ یہ لوگ احمدآباد کی سرحد
تک ملک کو اپنے حملون سے غارت کرتے ہیں اور مالوہ کے اضلاع پر
بھی حملے کرتے ہیں اور دکن کے صوبون میں ہو کر اجین کے کنارے تک
لوٹ مار مچاتے ہوے ہیں۔ شاہی لشکر کے دس بارہ کوس کے اندر کے

تھانوں پر لوٹ پڑتے ہین اور لوٹ لیجاتے ہین اور اسقدر جری و دلیر ہو گئے
ہین کہ شاہی خزانہ پر بھی حملہ کر بیٹھتے ہین*

چھاؤنی والے غل مچاتے ہی رہے اور مرہٹے شاہی ہاتھی کھول
لیگئے - اور یہانتک کیا کہ خود بادشاہ کو اُسی کے مورچل مین بند کر دیا کہ
" ایک آدمی بھی لشکر کے باہر جانے کی جرأت نہ کر سکا " **

اس بیس برس کی پریشان کرنیوالی لڑائی کی سب سے زیادہ
عجیب بات یہ ہے کہ بڈھے بہادر بادشاہ نے انکی سختیان اور دکھ کیون
اسقدر تحمل اور استقلال کے ساتھ برداشت کین -

" جب وہ اس طویل لڑائی کے شروع کرنے کے واسطے ادھر اُترا
ہے تو اُسکی عمر پچانوے برس کے قریب پہونچ چکی تھی - اور برہانپور کی
چھاؤنی سے روانہ ہونے سے پہلے پورے اکاسی برس کا ہو چکا تھا -
(اور مرہٹوں کے ملک مین آخری اور عظیم حملہ کرنے کو آیا تھا) یہ عمر ایسی
نہ تھی کہ منزلوں اور محاصروں کی تکان برداشت کیجاتی - اور باوجود اسکے

* دیکھو ایلیٹ و ڈاوسن جلد ہفتم صفحہ ۳۷۵ -

** دیکھو اسکاٹ صاحب کی کتاب دکن کا بندیلا افسر کا حال صفحہ ۹۰ و ۱۶ -

ات سلطانی لشکر مین سامان رسد کی بہت وافر تھا وہ اُنھین کی کشتیون مین
پٹے اور پر برداشت کرتا تھا جس سے جوان آدمی کی کمر بھی جواب
دیجاتی - سدھی بریمپور کی مین پڑا ہوا تھا کہ اندھیری رات مین دریا سے
سیلاب طغیانی پر آیا اور نہایت سخت بارش ہوئی جو صرف گرم ملکون مین
ہونے مین آتی ہے چھاؤنی کا بہت بڑا حصہ بالکل بہ گیا جو باقی بچ گیا تھا
وہ بھی پانی سے لبریز تھا - خوف و ہراس سے پریشانی اور بھی دوچند ہو گئی
سنا جاتا ہے کہ بارہ ہزار آدمی مر گئے - اور گھوڑون اور اونٹون اور
مویشیون کا تو کوئی شمار ہی نہین - بادشاہ خود معرض خطر مین تھا جس
بلند مقام پر وہ ٹھہرا ہوا تھا اُسطرف طغیانی بڑھتی جاتی تھی کہ (جیسا کہ
اُسکے درباروالے کہتے مین) اُسکے دعاؤن کے اثر سے رُک گئی - اسیطرح
کی ایک مصیبت اُسوقت پڑی تھی جب پارلی کے محاصرہ کے زمانہ مین
ایک چشمہ بڑھ آیا تھا - اسمین شک نہین کہ اس پرآشوب ملک مین جو
طوفان اتنی برساتون مین آئے ہونگے اُنکی وجہ سے بادشاہ کو بڑی بڑی
مشکلین جھیلنی پڑی ہونگی - ناقابل عبور چشمے گھاٹیون کے سیلاب والدل
کی زمین تنگ راستے کوچ کی حالت مین اور بھی زیادہ تکلیف دیتے تھے

مجبوراً جہان رسد لیجاتی تھی وہین ٹھہر جاتے تھے۔ سو کشتی اسقدر نقصان کی
جاتی تھین کہ اکثر فوج بالکل بے سرو سامان رہ جاتی تھی۔ اور دور دور
تین منزلین کرنا اور خیمون مین رہنا گرمی کے مارے عذاب جان
ہوتا تھا۔ پانی کی کمیابی اور بھی ستم ڈھاتی تھی۔ کئی دفعہ قحط اور وبا
کے بھی سلسلے ہوے اور گرانی اور بیماری تو اُسکے لشکر کے واسطے معمولی
بات ہو گئی تھی۔ اور سب پر طرہ یہ کہ برابر خبرین آتی رہتی تھین کہ
دشمن اُن ملکون کو تباہ کر رہا ہے جہان اُسکا پہونچنا محالات
سے تھا٭

باوجود اسکے کہ طرح طرح کی مصیبتون کا سامنا تھا اورنگ زیب
برابر اپنی پہاڑی ثابت قدمی اور مستعدی کے جوہر دکھلائے جاتا تھا۔
وہی ہر لڑائی کی تجویزین کرتا تھا۔ وہی سب احکام صادر کرتا تھا۔ وہی
حملے کے موقعے نکالتا تھا۔ وہی مورچون کے واسطے جگہ بتلاتا تھا۔ وہی
اپنی دکن کی فوج کے سب چھوٹی حرکت کا نگران رہتا تھا۔ بہت سے محاصرے
اُسنے بذات خاص جاری رکھے۔ ایک دفعہ ۱۶۹۹ع مین [illegible]

٭ دیکھو الفنسٹن صاحب کی تاریخ مطبوعہ ۱۸۶۶ع صفحہ [illegible]

ی اور معاصرین پر سخت تباہی آئی اور فوج میں بڑی مایوسی پھیلی
وقت یہ اسی برس کا بڈھا گھوڑے پر سوار ہو کر اُس خطرناک موقع پر
پہنچ آیا کہ گویا "موت کی تلاش میں نکلا ہے"۔ لاشوں کے ڈھیر
دیکھ کر اُسکا خون جوش میں آگیا اور بمشکل تمام اُس بات سے باز رکھا
گیا کہ خود حملہ کے واسطے بڑھے۔ اس زمانہ میں بھی اورنگ زیب وہی
اورنگ زیب تھا جسنے سموگڈھ کی لڑائی میں ہاتھی کے پاؤں میں
زنجیر پڑوادی تھی۔ اور اُسکی مستعدی کچھ اس لڑائی ہی کی پریشان
کرنے والی افکار تک محدود نہ تھی۔ وہ افغانستان کے معاملات میں
بھی احکام صادر کرتا تھا۔ آگرے کے ہنگاموں کا بھی انسداد کرتا تھا
اور قندھار پر پھر قبضہ کرنے کی فکر بھی اُسکو لگی ہوئی تھی۔ کوئی افسر کوئی
سرکاری محرر بغیر اُسکی اطلاع کے مقرر نہ ہوتا تھا اور بہت سے جاسوسوں
کی مدد سے سارے ملازموں کے کام کی نگرانی بادشاہ خود کرتا تھا۔

حسن اتفاق سے اورنگ زیب کی دکن کی لڑائی کے زمانے کی
ایک شبیہ* ہمارے ہاتھ آگئی ہے۔ وہ دوشنبہ کے دن ۲۱ مارچ ۱۶۹۵ء کو

* دیکھو جیملی کریری کی کتاب وایج راونڈ دی ورلڈ (سیاحت دنیا کا مجموعہ) جلد چہارم صفحہ ۲۲۱ - ۲۲۲

ڈاکٹر جیمس گریری بادشاہ کے حضور مین بمقام لشکر گاہ کلہ پیش کیا گیا۔
اُسنے دیکھا کہ بادشاہ ایک بڈھا آدمی ہے۔ ڈاڑھی سفید ہے
اور برابر کتری ہوئی ہے۔ اور اُسکی زیتونی رنگت پر ڈاڑھی کی سفیدی
بہت کھلتی ہے۔ قد چھوٹا تھا۔ ناک بڑی تھی۔ دُبلا اندام تھا اور کبرسنی
کی وجہ سے کمر جھک چلی تھی۔ نفیس قالین پر زردوزی تکیہ لگائے
ہوئے بیٹھا تھا۔ نپولین کے ملک کے ڈاکٹر سے باخلاق پیش آیا۔
پوچھا کہ ہمارے لشکر مین کسطرح آنا ہوا۔ اور جب یہ سنا کہ گریری روم
تک بھی سفر کر چکا ہے تو اُس لڑائی کے حالات دریافت کرتا رہا جو اُس
زمانے مین سلطان روم اور شاہان ہنگری سے ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر موصوف
نے دربار عام مین بادشاہ کو پھر دیکھا۔ دربار کے واسطے ایک عالیشان
شامیانہ نصب ہوا تھا اور چارون طرف چھینٹون کی قناتین لگی ہوئی
تھین۔ پہلے آگے آگے کچھ سردار آئے اُنکے بعد ایک دستہ دار عصا
کے سہارے بادشاہ آیا۔ سادہ سفید ملبوس زیب تن تھا۔ کمر میں ایک
ریشمی پٹکا بندھا ہوا تھا اسمین خنجر لٹکتا تھا۔ سر پر ایک سفید عمامہ تھا
جسپر سنہری جالی کا کام بنا ہوا تھا اور بیچ مین چار چھوٹے اور ایک بڑے

زمرد کا طرہ لگا ہوا تھا۔ پاؤن مین سپاہانی وضع کے نقش ستے اور موزے نہین پہنے تھا۔ وہ ایک مربع سنہری تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ یہ تخت ایک چبوترہ پر رکھا ہوا تھا اور چارون طرف چاندی کا کٹہرہ لگا ہوا تھا۔ تین کمخواب کے تکیے لگے ہوے تھے۔ دو پہلوؤن مین۔ ایک پشت پر۔ سر کے اوپر ایک طلائی سبز چتر لگا ہوا تھا۔ دو ملازم پیچھے کھڑے ہوے چنور ہلاتے تھے۔ جب بادشاہ بیٹھ گیا تو شمشیر اور سپر پیش ہوئی اور اُسنے تخت پر بائین طرف کو رکھ لی۔ پھر جن لوگون کو کام تھا اُنکو ہاتھ کے اشارہ سے قریب بلایا۔ جب وہ قریب آگئے تو دو پیش دستون نے سامنے کھڑے ہوکر عرضیان لین اور سُناکر بادشاہ کو دے دین۔ میرے دل مین بادشاہ کی بڑی عظمت ہوئی جب مین نے یہ دیکھا کہ اُسنے بغیر عینک لگائے ان عرضیون پر اپنے ہاتھ سے حکم لکھا اُسکی متبسم صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ اس شغل مین بہت لطف آتا ہے"

اس نپولین کے زمانہ کے ڈاکٹر نے جو مرقع اورنگ زیب کی سادگی و شان اور خوشدلی کی مصروفیت اور زہد و ریاضت کی زندگی کا کھینچا

کے برجے لنگرے لیکر کھلا پایا ہے وہ بہت ہی دلکش ہے جسمین مرقع ایک
عجیب غریب تصویر اُس بڑے شخص کی ہے جسکے دل کی کسی قوت
مین باوجود کبرسنی کوئی ضعف نہین آیا تھا اور جسکے جسم کے سارے کل پرزے بو
ڑھاپے مین جوڑے پائے تھے۔ مگر اس شاندار مرقع کے پیچھے کیا تھا۔
اُسی کی اکیلی جان۔ مغل بادشاہ کی قسمت ہی مین یہ لکھا تھا کہ اکیلا
جیے اور اکیلا مرے۔ اُسکے رتبہ کی شان کو اکیلا رہنا بھی لازمی تھا
اور اُسنے مزاج بھی ایسا پایا تھا کہ اُسکی وجہ سے وہ اپنے درباروالون
سے اور بھی الگ ہوگیا تھا۔ شاہجہان کی حالت کا خیال کسی وقت
اُسکے دل سے نہ نکلتا تھا۔ وہ اپنے بیٹون کو یاد دلاتا رہتا تھا کہ وہ ایسا
نہین چاہتا کہ اُنکے ساتھ وہ لوگ وہی سلوک کر سکین جو اُسنے اپنے باپ
کے ساتھ کیا تھا۔ اُسکا سب سے بڑا بیٹا ایک خفیف سی لڑائی کرکے
ہمیشہ کی قید کا مزہ چکھ رہا تھا اور منجھلے بیٹے کو بھی اورنگ زیب نے
تھوڑے ہی عرصہ مین سبق دیدیا تھا۔ اُسنے معظم کو لکھا دیا تھا کہ سلطنت
کا کام ایسا نازک ہے کہ بادشاہ کو اپنے سایہ سے بھی شک ہوتا ہے۔
سمجھ کر کام کرنا ورنہ جو تمھارے بھائی کا حال ہوا ہے وہی تمھارا بھی ہوگا۔

مجسم مجسم سعادتمندی کا نمونہ تھا۔ مگر باپ کو کئی دفعہ اُسکی طرف سے شبہ
ہوا۔ اُسکا بھائی اعظم اپنے عقلی طریقے کے مطابق اس شبہہ کو دہ بھی
بڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بیچارا قید ہوگیا اور سات برس بہت سختی کے
ساتھ کاٹے (۱۶۸۷ء لغایت ۱۶۹۴ء) جب اُسنے رہائی پائی تو اعظم
کی باری آئی اور اُس سے بدگمانی پیدا ہوئی۔ مگر اس بدگمانی کی وجہ
بھی کسیقدر معقول تھی۔ بادشاہ نے جس طریقے سے اپنے بیٹے کو یہ
دکھلا دیا کہ سازش کرنے سے کچھ حاصل ہوتا نہیں ہے اُسکا حال بھی سننے
کے قابل ہے۔ وہو ہذا:۔

"جب اُسے یہ شبہہ ہوا کہ شہزادہ خودمختار ہو جانے کی فکر میں ہے
تو اُسے دربار میں یاد فرمایا۔ جب شہزادہ نے حیلے کیے اور خوف ظاہر
کیا تو یہ کہلا بھیجا ہم تھوڑے سے آدمی لیکر شکار کو جاتے ہیں وہاں آکے
ملو۔ چنانچہ اعظم روانہ ہوا اور اورنگ زیب نے خفیہ طور پر مقام ملاقات
کے چاروں طرف منتخب سوار متعین کروا دیئے۔ جوں جوں شہزادہ قریب
قریب آتا گیا بادشاہ اُسکے ہمراہیوں کو کسی نہ کسی بہانے سے رخصت
کراتا گیا۔ یہاں تک کہ جب شہزادہ باپ کے پاس پہونچا ہے تو صرف

تین آدمی ساتھ تھے۔ چونکہ کوئی شخص حضور پر حملہ کرنے کے واسطے نہیں بڑھتا
اسلیے شہزادہ نے مجبور ہو کر اپنے دو ساتھیوں کو گھوڑوں کے پاس چھوڑا
اور خود مع ایک ہمراہی کے آگے بڑھا بادشاہ کے حضور میں پیش کیے
جانے سے پہلے اسکے اور اسکے ہمراہی کے ہتھیار بھی لے لیے گئے۔ شہزادہ
سمجھ گیا کہ اب شامت آئی۔ یا تو عمر بھر قید میں کاٹونگا ورنہ موت
ور اتنک قید رہنے میں تو شک ہی نہیں۔ مگر جب وہ اپ کے سامنے
پیش ہوا تو اُسنے بہت شفقت کے ساتھ اسکو گلے سے لگا لیا اور اک زیب
شکار کے واسطے تیار تھا۔ اُسنے اپنی بھری ہوئی بندوق شہزادہ کے
ہاتھ میں دیدی کہ ذرا اسے میچلو اور اسکا ہاتھ پکڑکر ایک علٰحدہ خیمہ میں
لیگیا۔ وہان اپنے خاندان کی ایک نفیس تلوار اسکو دکھلائی اور پھر
اُسکے ہاتھ مین دیدی کہ ذرا اسے دیکھو تو کیسی جوہردار ہے۔ پھر یہ کہکر
گرمی کی تیزی بڑھتی ہے اپنی قبا بھی کھول ڈالی تاکہ شہزادہ کو معلوم ہو جائے
کہ مجھے کوئی زرہ نہیں پہنے ہے۔ اسطرح اپنے اعتبار کا اظہار کرکے
اُسنے معظم کو تحفون سے مالا مال کردیا اور آخر کار یہ کہا کہ بہتر ہوگا کہ اب
تم رخصت ہو ورنہ تمھارے آدمی گھبرانے لگیں گے۔ دراصل یہ خیال

کچھ غلط نہ تھا جب اعظم لوٹ کر آیا تو اُسنے دیکھا کہ اُسکے دستخط والے
سب کاغذ بدلے ہوئے تھے اور دربار میں کہرام مچا ہوا تھا۔ یہ تو نہیں
معلوم ہوا کہ اصلی حق سے چھوٹ اُسنے پر شہزادہ شکر گزار رہا یا نہیں مگر
یہ تو کتابوں میں لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے جب بادشاہ کا شقہ
اُسکے نام آتا تھا تو اُسکی رنگت زرد ہو جاتی تھی۔*

بادشاہ نے باری باری سے ہر ایک بیٹے کو آزما رکھا۔ اور کسی کو کام
کا نہ پایا۔ معظم سات برس قید میں رہنے کے بعد کابل کی دور دراز حکومت
پر مامور کرکے بھیجدیا گیا۔ اعظم نے دکن کی لڑائیوں میں بہت سرگرمی
دکھلائی تھی گجرات کا حاکم مقرر کردیا گیا۔ اگرچہ اورنگ زیب ان دونوں
بیٹوں کا بہت خیال رکھتا تھا اور تحفے تحائف اور کلمات مہربانی سے
برابر ان کو سرفراز کرتا رہتا تھا تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے
دلوں میں اُسکی محبت نہیں تھی۔ ایک زمانہ میں وہ شاہزادہ اکبر کو
بہت چاہنے لگا تھا مگر اُسکے راجپوتوں سے ملجانے سے ساری شفقت
پدری خاک میں ملگئی اور لڑکے کی حوصلہ مندی سے اندیشہ پیدا ہو گیا۔

* دیکھو الفنسٹن کی تاریخ (مطبوعہ ۱۸۶۶ء) صفحہ ۶۶۲ و ۶۶۳۔

آخر عمر میں بادشاہ اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کام بخش کو بہت چاہتا تھا
کیونکہ اسکی ماں اودے پوری بائی جو ایک عورت ایسی تھی جسکے ساتھ
بادشاہ کو کسیقدر تعشق کی سی حالت رہی تھا - اس کم سن شہزادہ کی طرف
سے بھی یہ شبہہ پیدا ہو گیا کہ یہ شاہی عزت مرہٹوں کے ہاتھ بیچا چاہتا ہے
اور چند روز کے واسطے نظر بند کر دیا گیا - مگر پھر باپ نے خطا بخشی کی اور
شاید اس الزام سے بھی بری کر دیا کیونکہ آخر زمانے کے رقعوں سے بہت
شفقت کا اظہار ہوتا ہے -

بادشاہ کو اپنے افسروں کی طرف سے بھی ایسی ہی بدگمانی اور
بے اعتباری تھی جیسی کہ اپنے بڑے بیٹوں کی طرف سے تھی - اُس کے

* اورنگزیب کو اپنی زندگی میں بیبیوں سے کچھ زیادہ سروکار نہیں رہا - بقول منوکی
کے بڑی ملکہ ایک راجپوت رانی تھی جسکے بطن سے شہزادہ محمد و شہزادہ معظم اور
ایک شہزادی تولد ہوئی - ایک ایرانی محل سے شہزادہ اکبر و شہزادہ اعظم اور دو
شہزادیاں ہوئیں - تیسری بیوی سے ایک شہزادی تھی - اسکی قومیت کا حال نہیں
کھلا - کام بخش کی ماں اودے پوری جارجیا کی عیسائی عورت تھی جسکو دارا نے خرید کیا تھا
اور دارا کے قتل ہونے پر وہ اورنگزیب کے حرم میں داخل ہو گئی تھی -

رقعون کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا وہ اپنے سپہ سالارونکا خیال
رکھتا تھا ویسا کم کوئی بادشاہ کرتا ہوگا۔ وہ اُنکے عزیزون کی وفات پر
تعزیت کرتا ہے اور تشفی آمیز کلمات لکھتا ہے۔ بیماری مین مزاج کی خیریت
دریافت کرتا ہے۔ خطاب دیتا ہے تو بڑی لمبی چوڑی تعریفون کے ساتھ
تحفے۔ اگر کیا ہے تو اُنکے ساتھ بھی ایسی عنایت کا اظہار کرتا ہے کہ تحفہ کی
قدر دوبالا ہو جاوے اور اگر عتاب کا خط لکھتا تو اُسکے ساتھ بھی ایک دو
جملہ ملاطفت کا لکھ دیتا ہے۔ مگر سب اختیار اپنے ہی ہاتھ مین رکھتا ہے
اور حاکمون کو جابجا تبدیل کرتا رہتا ہے کہ مبادا ایک جگہ رہنے سے زیادہ
قابو یافتہ ہو جائین۔ اور اُنکے پیچھے بہت سے جاسوس بھی لگا رکھتا ہے
یہ سخت ناانصافی کی بات ہے کہ اُسکی عام نیک مزاجی کو بھی چالاکی اور
بدتدبیری سے تعبیر کیا جاوے۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ سوا اُن معاملات
کے جنمین تخت سلطنت یا مذہب کا واسطہ ہو اور عام طور سے وہ بہت
نرم دل تھا اور سخت سزاؤن سے نفرت کرتا تھا۔ اور یہ نرم دلی وہ ضرور
امر ملکی مصلحت پر مبنی تھین کہ بیفائدہ لوگون کو اپنا دشمن نہ بنا سکے۔
اورنگ زیب قدرتی طور پر رحمدل انصاف پسند اور نیک مزاج تھا۔

مگر اُسکی ساری خوبیوں پر اُسکے تنگ مزاج ہونے نے پانی پھیر دیا تھا اور
اشفاق اور محبت سے وہ بالکل بے بہرہ تھا۔ اُسکو کبھی کوئی دوست نملا۔
اب اِس اکیلی اور بغیر محبت کی زندگی کے خاتمے کے دن قریب
آ چلے تھے۔ آخر زمانہ کی ہر کوشش میں ناکامی صورت دکھلاتی تھی۔
بادشاہ کے مدت تک غائب رہنے سے شمال میں بدنظمی ہو رہی تھی۔
راجپوت کُھلم کُھلا باغی ہو رہے تھے۔ آگرہ کے قریب جاٹوں نے
بغاوت کر رکھی تھی۔ ملتان میں سکھوں کا زور شروع ہو چلا تھا۔ دکن
کی حالت ایک جنگل کی سی تھی کہ کہیں مرہٹوں کے نشانات ملتے
تھے کہ کہیں یہ شہر لٹا ہوا پڑا ہے کہیں وہ کھیت اُجڑا ہوا نظر آتا ہے
کہیں گاؤں سے دھواں اُٹھ رہا ہے۔ مغلیہ فوج کی حالت بہت
خراب و خستہ ہو گئی تھی دو جنسی پیادے کہ جو دان کیطرح گاؤں گاؤں
کر کے دیہی جمع کی ہوئی تنخواہوں کے تقاضے کرتے رہتے تھے۔ آمدنی
کے صیغوں کی حالت بہت ہی خراب ہو رہی تھی اور اورنگ زیب
اِس زرق برق کو سننا نہیں چاہتا تھا۔ مرہٹے یہانتک دلیر
ہو گئے تھے کہ شاہی فوج کے پاس آ آ کر لوٹتے تھے اور گیا خزانہ

بادشاہ کو دھمکیاں دے جاتے تھے اور کسی شخص کی یہ مجال نہ ہوتی
تھی کہ بغیر بہت سے مسلح آدمیوں کے ساتھ لیے ہوئے مغلی لشکر سے
باہر نکلے۔ یہاں تک نوبت پہونچ گئی کہ ان گستاخ لٹیروں سے صلح کر لینے
کا بھی چرچا ہونے لگا تھا۔

آخرکار جو فوج کسی زمانہ میں بڑی شاندار فوج تھی اسکے بچے کھچے
خراب خستہ حصہ کو لیکر بادشاہ نے بہت پریشانی اور ابتری کی حالت
میں احمدنگر کو مراجعت کی۔ راستہ میں مرہٹے جو خوشی کے مارے پھولے
نہ سماتے تھے لڑتے بھڑتے احمدنگر پہونچے۔ یہ وہی احمدنگر ہے جہاں سے
بیس برس پہلے بادشاہ بڑی امیدیں دل میں قائم کر کے بڑی شان
و طاقت کی فوج لیکر روانہ ہوا تھا۔ اتنے عرصہ کی تکلیفوں سے [illegible]
بادشاہ کی تندرستی نے جواب دیدیا اور جب وہ شہر میں داخل ہوا
تو اسنے خود ہی یہ کہا کہ بس اب میرے سفر کا خاتمہ ہو گیا۔ اس وقت میں
کہ اسکو یہ یقین ہو چکا تھا کہ میرا وقت پورا ہو چکا ہے اسکے مزاج کا [illegible]
تک اسکی قدرتی ہمت پر غالب تھا۔ اسنے اپنے بیٹوں کو دور ہی رکھا
کہیں ایسا نہ ہو کہ جو سلوک میں نے اپنے باپ سے کیا تھا وہی

پیر سے ساتھ جی کیا جائے۔ وہ اکیلا ہی بیا اور اکیلا ہی مرنے کے
واسطے تیار ہوا۔ اسکے دل میں ایک قابل مسلمان کی طرح گناہوں
اور نالائقیوں کا خوف بے طرح سما گیا تھا اور اسکو اپنے مذہبی خیالات
کی وجہ سے موت سے بہت ڈر لگتا تھا۔ اسنے اپنے مضطرب دل کی
حالت کا اظہار ان خطوں میں کیا ہے جو اسکے بیٹوں کے نام ہیں اور
جن سے اس شفقت کا اظہار ہوتا ہے جسکو اسکے مزاج کا شک بھی
دل سے نہیں نکال سکا تھا۔

شہزادہ اعظم کو لکھتا ہے کہ: سلام علیکم و علی من لدیکم۔ پیری
رسید و ضعف قوی شد۔ قوت از اعضا برفت۔ یگانہ آمدم و بیگانہ
میروم۔ خبر از خود ندارم کہ کیستم و چہ کارہ ام۔ نفسے کہ بے ریاضت
رفت افسوس آن باقی ماند۔ ملک داری و رعیت پروری ہیچ از
من نیامد۔ عمر عزیز مفت رفت۔ خداوند در خانہ دارم و روشنائی آن
در چشم تاریک خود نہ بینم۔ حیات پایدار نیست و از نفس رفتہ نشانے
پیدا نیست۔ و از استقبال توقع مفقود۔ تب مفارقت کردہ جز پوست
تنہا گذاشتہ...... لشکریان بے بیدست و پا و سراسیمہ ہمچو من بے

نے اختیار کیا ہم آتا ہے۔ اور اورنگ زیب اگر دنیا دار بنکر کام کرتا تو وہ اپنے
راستہ میں پھول بچھے ہوئے پاتا اور بہت آسانی کے ساتھ چل سکتا۔
اُسکے واسطے یہی فخر کی بات ہے کہ وہ اپنی روح پر جبر نہیں کر سکا اور
اپنے عقیدہ میں تزلزل نہیں آنے دیا۔ وہ ایک توقع موہوم کے
واسطے زندہ رہا اور اُسی توقع میں مر بھی گیا۔ پس اگر استقلال کا صلہ
کسی ناکام رہنے والے کو بھی ملا ہے تو اورنگ زیب ضرور اُسکا مستحق ہے۔
ہندوستان کا غالی مذہب مسلمان اُس قسم کے لوگوں میں سے تھا جنکے
سروں پر شدید مذہب کا تاج رکھا گیا ہے۔

اُسکی عزت اُسی کی ذات کے واسطے تھی۔ اُسکی عالی مزاجی سے
اُسی کو فائدہ پہونچا۔ اُسکی سلطنت عظیم کے حق میں تو اُسکے جوش اور
استقلال نے زہر ہلاہل کا کام کیا۔ اپنے آخر زمانے کے رقعوں
میں اُسنے اپنے بیٹوں سے التجا کی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے
سے لڑائی نہ کرنا۔ وہ لکھتا ہے کہ انچہ منظور ے آید طرفہ ہنگامہ سر بر
شورش است۔ ایزد متقلب القلوب توفیق حفاظت خلق الله کرده
بجائے خالق اسم چراغ راه سالکان طریق ربوبیت و الفت